جماعت احمدیہ کے خلاف تازہ فتنہ میں
میاں فخرالدین صاحب ملتانی کا حصہ

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

جماعت احمدیہ کے خلاف تازہ فتنہ میں میاں فخر الدین صاحب ملتانی کا حصہ

(تقریر فرمودہ ۲۶۔ جون ۱۹۳۷ء بمقام مسجد اقصیٰ قادیان)

تشہّد، تعوّذ، سورۃ فاتحہ اور سورۃ النساء کی آیات ۵۹ تا ۶۶ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

مؤمن کی پیدائش ایک منفرد پیدائش نہیں ہوتی بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے ایک زنجیر کی کڑی بنایا ہے۔ ایک کافر جب اپنے وجود کو دیکھتا ہے تو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے کہ فلاں کام کا نتیجہ میرے حق میں کیا نکلے گا لیکن مؤمن اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اس کام کا نتیجہ اس زنجیر کے حق میں کیا ہوگا جس کی وہ ایک کڑی ہے۔ بے شک ایک لوہے کی کڑی اگر مضبوط سے مضبوط اور اعلیٰ سے اعلیٰ ہو تو بھی دو چار یا پانچ روپیہ میں مل جائے گی لیکن اگر وہ اس زنجیر کا ایک حصہ ہے جو شاہی خزانہ کے صندوق پر بندھی ہوئی ہے تو اُس کی قیمت بہت بڑھ جائے گی اور اِسی نسبت سے اس کی کڑیوں کی قیمت بھی بڑھ جائے گی۔ اگر تو وہ ایک الگ کڑی ہوتی تو اس کے کٹ جانے سے اوّل تو چند آنوں کا نہیں تو دو چار یا پانچ روپیہ کا نقصان ہوتا لیکن اس زنجیر کا حصہ ہونے کی صورت میں جو خزانہ کے بکس کے اردگرد لپٹی ہے، ٹوٹ جانے کی صورت میں کروڑوں روپیہ کا نقصان ہوگا اس لئے دونوں کڑیوں کی ذمہ داری بالکل اور ہے۔ دونوں کی اہمیت ایک نہیں۔ الگ الگ ہونے کی صورت میں ان کی قیمت ایک ہے مگر زنجیر میں داخل ہو کر ایک کی حیثیت بالکل بدل جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے بار بار توجہ دلائی ہے کہ تم خدا کی فوج کے سپاہی ہو اور اگر انفرادی طور پر تمہارے اندر خلل واقع ہوگا تو اس سے ساری فوج میں خلل آئے گا۔ دنیا میں ہزارہا ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک زبردست فوج

صرف اس وجہ سے شکست کھا گئی کہ اس کے چند سپاہیوں نے کمزوری دکھائی، وہ اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگے جس سے خلا پیدا ہو گیا اور دشمن کو رستہ مل گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کی ہی بات ہے کہ اُحد کی جنگ کے موقع پر آپ نے ایک درّہ پر دس سپاہی مقرر کئے جو اسلامی فوج کی پُشت کی جانب تھا اور آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم نے یہاں سے نہیں ہلنا۔ باقی فوج خواہ ماری جائے یا جیت جائے حتّٰی کہ دشمن بھاگ بھی جائے، تو بھی تم یہیں کھڑے رہو۔ گویا یہ کام اُس کڑی کے سپرد تھا اور بظاہر یہ کوئی کام نہیں کہ ایک درّہ پر کھڑے رہو، خواہ فوج جیت جائے یا ہار جائے، بظاہر اس بات کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی لیکن بعد کے واقعات سے اِس کی اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے دشمن کو شکست ہوئی اور وہ بھاگے تو اِن دس سپاہیوں نے اپنے افسر سے کہا کہ اب تو دشمن کو شکست ہو گئی ہے، ہمیں بھی اجازت دیں کہ جہاد کے ثواب میں شریک ہوں لیکن افسر نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو یہیں کھڑے رہنے کا ہے۔ مگر انہوں نے کہا کہ اتنا غلوّ نہیں کرنا چاہئے، کچھ تو اجتہاد سے بھی کام لینا چاہئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا منشاء تو اِس قدر تاکید سے یہ تھا کہ بے احتیاطی نہ کرنا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا کہ واقعی اگر فتح حاصل ہو جائے تو بھی یہاں سے حرکت نہ کرنا۔ افسر نے جواب دیا کہ مجھے تو اجتہاد کا حق نہیں۔ مگر انہوں نے اُس کے مشورہ کو قبول نہ کیا اور کہا کہ یہ بالکل جاہلانہ مشورہ ہے اور اس میں اطاعت کے لئے ہم تیار نہیں ہیں اور ہم جہاد کے ثواب سے محروم نہیں رہنا چاہتے چنانچہ تین آدمی وہاں رہے اور باقی وہاں سے ہٹ آئے۔ اُس وقت تک حضرت خالد بن ولید مسلمان نہ ہوئے تھے، خالد بہت زیرک نوجوان تھے، دشمن بھاگ رہا تھا کہ اُن کی نظر درّہ پر پڑی اور دیکھا کہ وہ خالی ہے، انہوں نے جھٹ عکرمہ کو اشارہ کیا کہ ابھی شکست کو فتح میں بدلا جاسکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے چند سَو سپاہی ساتھ لئے اور پیچھے سے آ کر اس درّہ پر حملہ کر دیا۔ وہاں صرف تین مسلمان تھے باقی جا چکے تھے، وہ تینوں شہید ہو گئے اور عین اُس وقت جب مسلمان دشمن کو بھگاتے ہوئے لے جا رہے تھے، پیچھے سے حملہ ہوا اور اچانک حملہ کی وجہ سے صحابہ کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ رسول کریم ﷺ صرف بارہ (۱۲) صحابہ کے ساتھ میدان میں رہ گئے اور جب دشمن نے آپ پر پورے زور کے ساتھ حملہ کیا تو ان بارہ (۱۲) میں سے بھی بعض مارے گئے اور بعض دھکیلے جا کر پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اِسی ریلے میں

پیچھے دھکیلے گئے اور آخر صرف رسول کریم ﷺ اکیلے رہ گئے اور چاروں طرف سے آپؐ پر پتھر برسائے جا رہے تھے حتّٰی کہ خَود کی کِیلیں سر میں دھنس گئیں اور آپ بے ہوش کر زمین پر گر گئے اور دشمن نے خیال کر لیا کہ شاید آپ وفات پا گئے ہیں۔ اور اس ہنگامہ میں جو صحابہؓ شہید ہوئے، اُن کی لاشیں بھی آپ کے اُوپر گر گئیں اور دشمن مطمئن ہو کر واپس چلا گیا کہ آپ شہید ہو چکے ہیں۔ چنانچہ جب صحابہ جمع ہوئے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو لاشوں کے ڈھیر میں سے نکالا اور دیکھا کہ آپ ابھی زندہ ہیں۔ ایک صحابی نے پورے زور کے ساتھ خَود کو کھینچ کر نکالا اور اِس قدر زور لگانا پڑا کہ آپ کے دانت ٹوٹ گئے۔[1] دیکھو کتنی چھوٹی سی ہدایت تھی کہ وہ دس آدمی اس درّہ پر بہرحال کھڑے رہیں لیکن اس کو نظر انداز کر دینے سے کتنا خوفناک نتیجہ نکلا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی خاص حفاظت کا وعدہ نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ بھی اُس دن شہید ہو جاتے۔ اُس وقت سوائے ملائکہ کے کس نے آپ کی حفاظت کی۔ جس طرح غارِ ثور کے منہ پر پہنچ جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کفار کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ زیادہ تحقیقات کی ضرورت نہیں، اِسی طرح اُحد کے موقع پر بھی ان کے دل میں یہ ڈال دیا کہ بس آپ فوت ہو چکے ہیں اب دیکھ بھال کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کُفّار اُس وقت جُھکتے اور غور سے دیکھتے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ کمی کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دیا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ یہ انسان کا کام نہیں، انسانوں نے تو آپ کو مروا ہی دیا تھا مگر خدا تعالیٰ نے زندہ رکھا۔ اور یہ سب خطرہ اِس وجہ سے پیدا ہوا کہ بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ ہم اجتہادی طور پر اطاعت کیلئے تیار نہیں ہیں، یہ بالکل خلافِ عقل بات ہے۔ یہ لوگ منافق نہیں تھے مگر ان کی ذرا سی غفلت سے رسول کریم ﷺ کی ذات ایسے خطرہ میں پڑ گئی کہ آج اِس کے حالات پڑھ کر بھی ایک مؤمن کا دل کانپ اُٹھتا ہے۔

پس مؤمن ایک زنجیر کی کڑی ہوتا ہے اس کا اپنی ذات کا خیال رکھنا اور اس کو بھول جانا کہ وہ ایک زنجیر کی کڑی ہے، درست نہیں اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں۔ مؤمن اکیلا نہیں ہوتا اس کے صرف یہ معنی نہیں کہ ظاہری طور پر بھی جماعت ضرور اس کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ جہاں بھی ہو اپنے آپ کو جماعت کے سلسلہ کی ایک کڑی سمجھتا ہے۔ وہ اگر اکیلا بھی ہو تو ایسے کام کرتا رہتا ہے جو جماعت کی تقویت کا موجب ہوتے ہیں۔ پس عام انسان کی ذمہ واری اور مؤمن کی ذمہ واری میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اسی وجہ سے

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر بعض ایسی ذمہ واریاں عائد کی ہیں کہ اگر نقصان کا یقین ہو تو بھی ان سے کوتاہی جائز نہیں۔ کیا جو سپاہی لڑائی میں جاتے ہیں، ان کے نقصان کا احتمال نہیں ہوتا مگر کیا وہ کہا کرتے ہیں کہ بادشاہ اور وزراء و امراء تو گھروں میں بیٹھے ہیں، اور ہم مارے جا رہے ہیں۔ تین چار دن ہوئے مجھے ایک ایسا شخص ملنے کیلئے آیا جو جماعت سے خارج تھا، اُس نے سوال کیا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ مجھے جماعت سے کیوں نکالا گیا؟ میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا اِس کی کوئی وجہ بیان ہوئی تھی اُس نے کہا نہیں۔ میں نے کہا کہ بس سمجھ لو، کوئی ایسی ہی وجہ تھی جس کا ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ وہ کہنے لگا کہ کیا مجھے ان مقدمات کے سلسلہ میں نکالا گیا تھا جو بعض لوگوں سے میرے چل رہے تھے۔ میں نے اُسے بتایا کہ نہیں ان مقدمات کے متعلق تو میں سمجھتا ہوں تمہارا حق مارا گیا ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ تمہارے متعلق رپورٹ آئی تھی کہ چونکہ تم حاجت مند ہو، پولیس کے بعض افسر یہ کوشش کر رہے ہیں کہ تمہیں خرید لیں اور قبرستان کے مقدمہ میں تم سے شہادت دلوائیں کہ مجھے جماعت نے بھیجا تھا کہ جا کر احراریوں کو مارو۔ اُس نے کہا کہ بے شک مجھے بعض پولیس افسروں نے ایسا کہا تھا کہ پانچ سَو روپے لے لو اور یہ شہادت دے دو مگر میں نے تو اُسے منظور نہیں کیا تھا، آپ کو مجھ پر اعتماد کرنا چاہئے تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ ایک طرف تو تم پر اعتماد کا سوال تھا اور دوسری طرف جماعت کے اعتماد کا سوال تھا۔ اب بتاؤ، میں کسے قربان کرتا۔ میں اِس خبر کو ۹۹ فیصدی جھوٹ سمجھتا تھا لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ تم اُن دنوں ابتلاء میں تھے، تم کو جماعت کے افراد سے بھی شکایت تھی اور محکموں سے بھی، تم اس وقت سخت مالی مشکلات میں تھے اور روپیہ کے محتاج تھے۔ پس ان حالات میں ڈر تھا کہ تم اس لالچ کی برداشت نہ کر سکو یا غصہ تمہارے دل پر قابو پالے۔ پس ان حالات میں جبکہ مَیں تم کو کوئی مالی نقصان نہیں پہنچا رہا تھا کیونکہ تم ملازم نہیں تھے، نہ کوئی تمہارا تجارتی کام تھا۔ پس ان حالات میں جماعت کے وقار کو مَیں خطرہ میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جنگِ عظیم میں جرمن یا دوسرے ممالک کیلئے لوگ کس طرح اپنے ملک اور قوم کیلئے اپنی جانیں قربان کرتے تھے، اگر تمہیں قربانی کرنی پڑی تو کیا حرج ہے۔ تم لوگ تو کہتے ہو کہ تمہاری جانیں سلسلہ کیلئے ہیں۔ پس اگر جماعت کی خاطر تمہیں سزا دی گئی تو کیا ہوا۔ اِس پر اُس نے کہا کہ پھر کیوں مجھے یہ نہ بتا دیا گیا۔ میں نے کہا اگر میں ایسا کرتا تو بے وقوفی کرتا کیونکہ اِس صورت میں اصل غرض

پوری نہ ہوتی ۔ اوّل تو خود تم کو پولیس ناجائز طور پر استعمال کرسکتی تھی ۔ دوسرے اِس بات کے علم پر وہ کسی اور کو استعمال کرنے کی کوشش کرتی ۔ اِس پر اُس نے کہا کہ اب میرا دل خوش ہو گیا ہے ۔ اب دیکھو، اُسے ایسی صورت میں سزا دی گئی تھی کہ کُلّی طور پر اس کا یہ جُرم ثابت نہ تھا، مگر چونکہ اُس کے خلاف بعض اور باتیں ثابت تھیں جو اُسے سزا کا مستحق بنا دیتی تھیں جن کی سزا مَیں دوسرے اوقات میں یقیناً اِس سے کم دیتا۔ لیکن اس صورتِ حالات میں مَیں نے مناسب سمجھا کہ اس سزا کو جماعت سے اخراج کی سزا میں بدل دوں ۔ وہ خود تسلیم کرتا ہے کہ پولیس کے بعض افسروں نے اُسے لالچ دی اور یہ ثابت ہے کہ وہ اُس وقت جماعت کے بعض محکموں سے شاکی تھا اور معمولی شاکی نہیں بلکہ سرکاری عدالتوں میں جانے کیلئے تیار تھا اور اِس کی کوشش کر رہا تھا، چنانچہ ان پولیس افسروں نے یہ بھی کہا کہ اس مقدمہ میں بھی ہم تمہاری مدد کریں گے ۔ پس باوجود یہ جاننے کے کہ اُس کا جُرم اِس حد کا نہیں، ایک اور خطرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں نے اُسے اخراج از جماعت کی سزا دے دی ۔ مگر ساتھ ہی تمام متعلقہ افسروں کو بتا دیا کہ اگر کوئی اور جُرم اِس کا ثابت نہ ہوا تو اِس مقدمہ کے بعد اسے معاف کر دیا جائے گا اور یہ میری عمر میں پہلا ہی واقعہ ہے مگر مَیں مجبور تھا۔ ذرا غور تو کرو اگر ایک احمدی جا کر عدالت میں یہ جھوٹا بیان دے دیتا کہ مجھے جماعت نے بھیجا تھا تو جماعت کے وقار کو کس قدر صدمہ پہنچتا اور دشمن کو ایک آلہ مل جاتا کہ سلسلہ کو بدنام کرے اور اِس الزام سے بریت کی کوئی صورت نہ ہوتی سوائے اِس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی کوئی ایسی صورت پیدا کر دیتا جیسی مارٹن کلارک کے مقدمہ میں ہوئی تھی مگر اُس وقت کے حالات اور تھے اور آج کے اور ہیں ۔ اُس وقت کے مجسٹریٹ نے گواہ کے دوسرے بیان کو صحیح سمجھا تھا مگر اب یہ سمجھا جاتا کہ ملزم کو خرید لیا گیا ہے ۔ جیسا کہ ایک دوسرے مقدمہ میں ہوا کہ گواہوں نے سچی گواہی دی تو بعض اعلیٰ سرکاری حُکّام نے اُنہیں بلا کر اِس قسم کے بیان دلانے چاہے کہ گویا خود خلیفہ نے بلا کر اُن کو رشوت دی اور اُن کو خرید لیا۔

غرض میں نے اسے کہا کہ تمہیں بے شک قربانی کرنی پڑی، مگر کیا تم یہ اقرار کر کے احمدی نہیں ہوئے تھے کہ تم احمدیت کیلئے ہر قسم کی قربانی کرو گے مگر یہ میری زندگی میں پہلا واقعہ ہے ۔ چنانچہ بغیر اِس کے کہ وہ کوئی درخواست پیش کرتا، میں نے میاں بشیر احمد صاحب، مولوی عبدالغنی صاحب اور خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کو اُسے بُلانے سے بھی قبل کہا تھا کہ گو وہ ملازمت سے ڈسچارج ہو چکا تھا مگر اُس تکلیف کی وجہ سے جو اُسے پہنچی میں چاہتا ہوں اس کیلئے کسی ملازمت کا

بندوبست کر کے اس کی تکلیف کا کُفّارہ کر دیا جائے۔
ایسے واقعات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔بعض لوگوں کے متعلق یہ اطلاع آنے پر کہ وہ یہاں رپورٹیں کرنے کیلئے آئے ہیں، آپ نے ان کو نکال دیا۔ پس جس وقت جماعت کی نیک نامی اور عزت کا سوال ہو، افراد کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ اُس وقت کوئی شخص چاہے جماعت میں رہے یا نہ رہے جماعت کی عزت کی حفاظت ضروری ہوتی ہے اور میں صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر پھر کبھی موقع آیا تو میں پھر بھی ایسا کروں گا۔
جب قبرستان کا واقعہ ہوا، میں تو قادیان میں موجود ہی نہ تھا۔ پھر اگر وہ شخص کوئی ایسا بیان دے دیتا تو اُس کی بدنامی میرے نام تو لگ ہی نہیں سکتی تھی۔ میرے ساتھ اِس واقعہ کا تعلق بھی نہ تھا میں اُس وقت دھرمسالہ میں تھا اِس لئے میری عزت یا بدنامی کا تو سوال ہی نہ تھا۔ میرے سامنے تم سب کی مجموعی عزت کا سوال تھا۔ وہ جماعت کا ہی نام لے سکتا تھا میرا نہیں کیونکہ میں تو یہاں تھا ہی نہیں۔ پولیس یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ مَیں سازش کر کے باہر بھاگ گیا کیونکہ سازش وہ ہوتی ہے جس کیلئے پہلے سے تیاری کی جائے، مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ منگو کی لڑکی کے مرنے کا پہلے سے ہی انتظام کیا گیا تھا اور مَیں کہہ گیا تھا کہ میں جاؤں تو اُسے مار دینا اور پھر قبرستان پر جھگڑا کرنا اور احرار کو بھی وہاں لے جانا اور وہاں لے جا کر انہیں مارنا اس لئے واقعات کی بِناء پر کوئی مجھ پر تو الزام لگا ہی نہیں سکتا تھا کہ میرا بھی ان میں حصہ ہے۔ میرے سامنے اُس وقت صرف سلسلہ کی عزت کا سوال تھا۔ چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا کہ پولیس اِس کوشش میں ہے کہ اسے خریدے تو میں نے سمجھا چاہے یہ خبر غلط ہی ہو اور چاہے اسے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو، لیکن چونکہ اِس سے بعض اور غلطیاں ہو چکی ہیں اور میں اسے سزا دینے میں خدا کا مُجرم نہیں۔ آؤ میں اِس خطرہ سے جماعت کو بچانے کیلئے اسے جماعت سے خارج کر دوں۔ علاوہ ازیں جماعت کے افراد کو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جسے سلسلہ کی طرف سے کوئی سزا دی جاتی ہے اگر وہ قصور وار ہے تو اسے قصور تسلیم کر کے دلیری سے سزا برداشت کرنی چاہئے اور ساتھ توبہ کرنی چاہئے تا کہ دل پر زنگ نہ لگ جائے۔ اور اگر وہ اپنے دل میں اپنے آپ کو بے قصور سمجھتا ہے تو ادنیٰ دیانت داری جو ایک مؤمن میں ہونی چاہئے، کم سے کم وہ اتنی تو خلیفہ میں تسلیم کرے۔
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ **ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا**[2] جب کوئی بُری بات مؤمنوں کو کسی مؤمن کے بارہ میں معلوم ہو تو کیوں وہ اس کا نیک

پہلوا پنے بھائی کے متعلق تجویز نہیں کرتے ۔تو کیا خلیفہ کا مقام ایک عام مؤمن کے برابر بھی نہیں کہ اس کے متعلق کم سے کم ، ادنیٰ سے ادنیٰ حُسنِ ظنّی سے کام لیا جائے اور سمجھا جائے کہ اس نے کم سے کم دیانت داری سے فیصلہ کیا ہے اور ذاتی بغض نہیں نکالا ۔

یہ آیات جو مَیں نے ابھی پڑی ہیں ، ان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔اِنَّ اللّٰہَ یَأْ مُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا [3] یوں تو سارا قرآن ہی حُکم ہے مگر جب زیادہ زور دینا ہو تو دوبارہ حُکم کا لفظ آتا ہے ۔جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بڑا ضروری حُکم ہے ۔تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب موقع آئے کہ تم اپنا لیڈر چنو تو خدا تعالیٰ کا حُکم ہے کہ تم اسے چنو جسے اس کا اہل سمجھو اور جس کے متعلق یقین ہو کہ وہ جماعت کو ٹھیک راستہ پر چلائے گا ۔آگے فرمایا ۔ وَاِذَاحَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ [4] یعنی جب خدا تعالیٰ تمہیں اس مقام پر پہنچائے تو عدل کرو ۔ اِس جملہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس جگہ امانت سے مراد امانتِ حکومت ہے ورنہ دوسری امانت کا تعلق فیصلہ کرنے اور عدل کرنے سے نہیں ہوتا ۔پھر فرمایا اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ [5] یہ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بابرکت حُکم ہے پھر فرمایا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا [6] اللہ تعالیٰ بہت سننے والا دیکھنے والا ہے یعنی اِن دونوں باتوں میں غلطیاں ہو سکتی ہیں ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم بدنیتی سے رائے دو اور امیر کے متعلق رائے دیتے ہوئے تمہارے نفوس کسی ذاتی غرض کو پوشیدہ رکھ رہے ہوں ، پس اگر ایسا کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ دیکھنے اور سننے والا ہے وہ ضرور اس کی سزا تمہیں دے گا اور اگر وہ شخص جسے تم نے امیر یا افسر چنا ہے کوئی بد دیانتی کرتا ہے تو بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سننے اور دیکھنے والا ہے ، وہ اسے خود سزا دے گا ۔

پھر فرمایا ۔یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ [7] اس آیت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں امانت سے مراد امانتِ حکومت ہی تھی ۔ ورنہ اگر روپیہ یا مال رکھنے کے متعلق یہ ہدایت ہوتی تو اس جگہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت کا ذکر کیوں آتا پس یہاں امانتِ حکومت ہی مراد ہے ۔پھر فرمایا ۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا [8] اگر تمہیں کسی ایسے حاکم سے شکوہ پیدا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کے سپرد کر دو جنہوں نے اس کی اطاعت کا حکم دیا ہے تمہارا یہ کام نہیں کہ جھگڑے کا تصفیہ کرو کیونکہ اس صورت میں امن قائم نہیں رہ سکتا ۔تمہارا فرض یہ ہے کہ امیر کی مخالفت یا اس

کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی بجائے معاملہ کو خدا اور اس کے رسول کے سپرد کر دو، اگر تمہارا خدا اور آخرت پر ایمان ہے، اگر تمہارا خدا زندہ ہے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ کسی بد باطن اور شریر کو تم پر ظلم کرنے دے گا، اگر تم نظام کیلئے قربانی کرتے ہو تو کیا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں اس کا اجر نہ مل سکے گا۔ رسول کریم ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ اگر اس دنیا میں ایک بکری نے دوسری کو سینگ مارا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اُس بکری کے سینگ کا بھی بدلہ لے گا۔[9] پھر تم کس طرح خیال کرتے ہو کہ تمہارے ساتھ اگر ظلم ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ نہ دے گا۔ پھر تم گھبراتے کیوں ہو۔ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا یہ سب سے بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اعلیٰ بات ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے قانون یہی ہے کہ جو امیر ہو، خواہ چھوٹا ہو خواہ بڑا، یا خلیفہ ہو، تمہیں ان کی فرمانبرداری کرنی چاہئے۔ اگر اس کے فیصلہ پر تمہیں اعتراض ہو اور تم سمجھتے ہو کہ تم مظلوم ہو اور بد دیانتی سے تمہارے امیر نے ظلم نہیں کیا، تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور وہ بھی معذور سمجھا جائے گا اور اگر امیر نے ظلم کیا ہے تو بھی معاملہ کو خدا اور اس کے رسول کے سپرد کر دو اور اطمینان رکھو کہ اگر قیامت کا کوئی دن ہے تو اس ظلم کا خود خدا تعالیٰ بدلہ لے گا۔ اس قانون کو بدل دو تو نہ کوئی حکومت باقی رہتی ہے اور نہ کوئی نظام۔ اَور باتوں کو تو جانے دو صرف یہی لے لو جو کہتے ہیں کہ خلیفہ غلطی کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہیڈ ماسٹر بھی غلطی کر سکتا ہے یا نہیں؟ پھر اگر یہ ہو کہ ہر لڑکا کھڑا ہو اور ہیڈ ماسٹر سے کہے کہ آپ نے فلاں ظلم مجھ پر کیا ہے تو کوئی انتظام رہ سکتا ہے؟ پھر اگر کہتے ہیں خلیفہ غلطی کر سکتا ہے تو کیا کوئی تاجرِ کُتب غلطی نہیں کر سکتا؟ پھر کیا دنیا میں یہی طریق ہے کہ ہر کتاب کی قیمت پر مباہلے اور چیلنج ہوتے ہیں۔ ابھی ایک جھگڑا میرے نوٹس میں لایا گیا ہے کہ کئی سال ہوئے ماسٹر احمد حسین صاحب مرحوم فرید آبادی کے لڑکے نے کچھ کتب میاں فخر الدین صاحب کو برائے فروخت دی تھیں، کئی سال کے بعد جب قیمت کا مطالبہ کیا تو میاں فخر الدین صاحب نے کہا کہ میں نے وہ کتابیں نصف قیمت پر فروخت کی ہیں اس لئے نصف کمیشن کاٹنے کے بعد دوں گا۔ اب اس سے یہ کیوں نہ سمجھ لیا جاتا کہ ان کا یہ قول بد دیانتی پر مبنی ہے اور کہ وہ یتیم کا مال کھانا چاہتے ہیں۔ گو اس بچہ نے ان کی بات کو مان لیا اور میاں فخر الدین صاحب نے اس رقم کے ادا کرنے کا اقرار کر لیا مگر وہ بچہ سال بھر ان کے پاس مطالبہ کیلئے جاتا رہا لیکن وہ شکایت کرتا ہے کہ آخر ایک دن انہوں نے مجھے یہ جواب دے دیا

کہ جا! جو کرنا ہے کر لے۔ حالانکہ فیصلہ ان کا مسلّمہ تھا اور روپیہ وہ جو خریداروں سے مہینوں اور سالوں پہلے وصول کر چکے تھے' اب اگر یہ شکایت اِس یتیم کی درست ہے تو کیا سلسلہ یا حکومت اِس پر قسمیں دلانے بیٹھے گی کہ میاں فخر الدین صاحب نے ایسا کیا ہے یا نہیں؟ وہ تو اصل مقدمہ کی طرف توجہ کرے گی۔ ایسے امور کو اگر درمیان میں لایا جائے تو سوائے بدظنیوں کے ایک غیر متناہی سلسلہ کے اور کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر ان لوگوں کا حق ہے کہ وہ اپنے متعلق نیک ظنی کا مطالبہ کریں تو کیا خلیفہ ہی کا ایک وجود ہے جس کے متعلق نیک ظنی نہیں کرنی چاہئے۔ اور ہر ہیڈ ماسٹر اور کتب فروش کے متعلق دوسرے شخص کا حق ہے کہ اس کے بارہ میں نیک ظنی سے کام لیا جائے۔ کیا کوئی شریف انسان ایسی بات کو تسلیم کر سکتا ہے اور کیا کوئی شریف انسان اس قسم کے خیالات رکھنے والی لعنتی قوم کا خلیفہ بننا پسند کر سکتا ہے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شخص پر بھی الزام لگا کر دیکھو، وہ جوتا لے کر مقابلہ کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ مگر خلفاء پر نہایت بے باکی سے الزام لگا دیئے جاتے ہیں اور پھر کہا یہ جاتا ہے کہ اسلام آزادی سکھاتا ہے مگر اس قسم کے لوگوں سے پوچھو کہ اے کمبختو! کیا اسلام تمہارے متعلق آزادی نہیں سکھاتا، کیا صرف خلفاء کے متعلق ہی آزادی سکھاتا ہے؟ اِس وقت میں صرف میاں فخر الدین صاحب کے اخراج کے متعلق بیان کروں گا۔ دوسرے امور میں اِس وقت جانے کو تیار نہیں ہوں' وہ اگر موقع ہوا تو پھر ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ مگر یہ اِس وقت بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ وہ خطبہ والا مضمون نہیں جس کے متعلق میں نے کہا تھا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے سمجھایا ہے، اُس کیلئے ابھی انتظار کریں اور دشمن کی طرف سے جب حملہ ہوگا تو مجھے یقین ہے کہ اس کا اپنا ہتھیار ہی اسے کاٹنے کو کافی ہوگا۔ یہ جھگڑا جو شروع ہوا ہے، اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ میں سندھ میں تھا کہ مجھے مولوی تاج الدین صاحب لائل پوری مولوی فاضل کا مندرجہ ذیل خط پہنچا۔

مولوی تاج الدین صاحب کا خط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

سَیِّدِیۡ! اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

مشاورت سے قبل کا واقعہ ہے کہ خاکسار میاں فخر الدین ملتانی کی دُکان پر گیا' ان کے ہاتھ میں اخبار الفضل کا پرچہ تھا' کہنے لگے آپ کا مضمون ابھی پڑھ کر ختم کیا ہے (جس میں پیغامیوں کے اعتراض متعلقہ پہرہ بوقت نماز کا جواب تھا) میں نے کہا بتائیے جواب بنا ہے یا

نہیں ۔ کہنے لگے ہاں گزارہ ہو گیا ہے۔ اس مضمون میں چونکہ حضرت امیر معاویہؓ ہی کی مثال تھی اس لئے میں نے حضرت امیر معاویہ کے متعلق کہا کہ وہ بڑے سیاستدان اور دُوراندیش تھے۔ اسی ذکر میں مَیں نے یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے خلاف بھی انہوں نے بڑا ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ مثلاً وہ حضرت علیؓ سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے اور کم از کم یہ کہ ان لوگوں کو حضرت علیؓ اپنے ساتھ نہ رکھیں، اپنی فوج سے الگ کر دیں' ورنہ سمجھا جائے گا کہ حضرت علیؓ ان کی حمایت پر ہیں۔ حضرت علیؓ بہت کہتے کہ فتنہ سخت ہے، آپ ساتھ ہو جائیں' استحکامِ امر پر اس معاملہ میں دخل دیا جا سکے گا۔ مگر حضرت امیر معاویہؓ اپنی ہی بات پر اڑے رہے کہ ان سرکشوں کو الگ کریں اور ان سے قصاص لیں۔ اس پر بابو فخر دین کہنے لگے کہ ہاں حضرت معاویہؓ کی بات مؤثر تو تھی اور یہی تو ہم کہتے ہیں۔ میں ان کی اس بات کا مطلب بالکل نہ سمجھا۔ آخر کہنے لگے کہ شیخ احسان علی اور اُس کا بھائی عبدالرحمٰن صریح طور پر مُجرم ہیں۔ عبدالرحمٰن نے جھوٹی گواہی عدالت میں دی' ہم پر افتراء اور بُہتان باندھے، شریف آدمیوں کی عزت پر حملے کئے، پاکدامن عورتوں کی عزت پر حملے کئے مگر ان کو پوچھا تک نہیں بلکہ پٹرول کا ٹھیکہ ان کو دے دیا ہے۔ اور فلاں سے ہٹا کر (غالباً سیالکوٹ ہاؤس کا نام لیا تھا اچھی طرح یاد نہیں رہا) دیا ہے اور ان سے مہنگا دیا ہے۔ پھر عبدالرحمٰن کو جو نالائق اور نکمّا آدمی ہے، دفتر تحریک جدید میں رکھ لیا ہے۔ دوسروں کی عورتوں اور لڑکیوں کی کوئی عزت ہی نہیں سمجھی جاتی۔ یہ بڑے جوش اور زور زور سے کہنے لگے۔ میں نے کہا کہ آپ کو اگر کوئی شکایت ہے تو ان پر دعوٰی دائر کریں۔ پوچھا کہاں؟ میں نے کہا۔ امور عامہ میں یا قضاء میں یا حضرت صاحب کی خدمت میں۔ کہنے لگے کہ میں تو اس میں اپنی ہتک سمجھتا ہوں۔ کیا ہم اور بے عزت ہوں۔ غالباً یہ بھی کہا کہ ہمیں انصاف کی توقع نہیں اور یہ بھی کہا کہ میں ایسے دعووں پر یا کہا کہ ایسی درخواستوں پر جُوتے مارتا ہوں اور یہ بھی کہا کہ کئی سالوں تک مارے مارے پھرو کبھی فلاں جگہ پھر فلاں جگہ۔ میں نے کہا کہ سرکاری عدالتوں میں بھی تو آخر مختلف جگہوں پر **اپیلیں** کرنی ہی پڑتی ہیں۔ یہ بھی کہا کہ ہمیں دعویٰ کرنے کی کیا ضرورت ہے ان کو پتہ نہیں؟ بلکہ وعدہ کیا گیا تھا کہ مقدمہ کا فیصلہ ہونے پر پھر ان سے پوچھا جائے گا۔ میں نے کہا کہ کس نے وعدہ کیا تھا۔ کہا یہی جو ذمہ وار ہیں امور عامہ' حضرت صاحب۔

پھر کہا کہ ڈاکٹر فضل دین افریقہ سے لکھ رہے ہیں کہ مجھے لکھا گیا تھا کہ بعد فیصلہ مقدمہ، کارروائی

کی جائے گی، کیا کوئی کارروائی کی گئی۔ ہم لکھ دیتے ہیں کوئی نہیں۔ آخر میرے بار بار کہنے سے کہ یہ طریق اچھا نہیں۔ ان لوگوں پر مقدمہ چلائیں اور ان کے خلاف ثبوت مہیا کریں، یہ جواب دیا کہ ہاں وقت آنے پر کریں گے۔ ایک موقع پر یہ بھی کہا کہ اسے تو چپکے سے قادیان سے نکال دیا، کانوں کان خبر تک نہیں ہونے دی۔ میں نے کہا کہ کسے؟ تھوڑی دیر خاموش ہو کر کہا کہ مقبول کو۔ میں نے کہا مقبول کون تھا؟ کہا وہ ایک لڑکی تھی جو مولوی قطب الدین کے گھر رہتی تھی۔ اس کے متعلق نہ میں نے پوچھا کہ کیا واقعہ تھا اور نہ اُس نے بتایا۔ جوش میں بلند آواز سے جب باتیں کر رہے تھے تو میرے کہنے پر کہ آہستہ بات کریں، اسی زور اور جوش میں کہا کہ دل میں جلن ہے، دکھ ہے اور یہ باتیں کُھلے طور پر کہتا ہوں تا کہ سی۔ آئی۔ ڈی سن لیں (یہ کیا کہ فلاں کو فلاں ملا تھا اور فلاں فلاں اکٹھے باتیں کر رہے تھے۔ بس یہی رپورٹیں ہوتی رہتی ہیں) ہمیں دکھ ہے ہم کہتے ہیں۔ (یہ باتیں مشاورت سے قبل ہی مکرمی مولوی اللہ دتا صاحب سے ذکر کر دی تھیں۔)

۲۔ اُسی وقت یا کسی اور وقت مکرمی مولوی ظفر محمد صاحب کے متعلق انہوں نے کہا تھا کہ اسے مبلّغ بنا دیا گیا ہے۔ ہمارا تو خیال تھا کہ جو وہ مخفی کام کر رہے تھے اور سی آئی ڈی کے محکمہ میں خُوب کام کیا تھا، اس پر انہیں کوئی ناظر بنا دیا جائے گا۔ یہ کیا ہے کہ ان کو اس عہدہ سے ہٹا کر تنزّل میں کر دیا۔

۳۔ پرسوں مَیں شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے لڑکوں کا حال پوچھنے گیا۔ (ان کے دو بچے بیمار ہیں) واپسی پر تھوڑی دُور تک میرے ساتھ آئے اور از خود ہی اپنی پُرانی گفتگو متعلقہ خلافت وغیرہ چھیڑ دی۔ خلاصہ یہ تھا۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں اس پر مطمئن ہوں کہ نبی کی جانشین اور خلیفہ دراصل جماعت ہوتی ہے جو نظام وہ چاہے قائم کر لے۔ مثلاً اگر پیغامیوں والے خیال پر جماعت کی اکثریت ہو جاتی تو پھر وہی صحیح اسلامی مَسلک ہوتا۔ ۲۔ خلیفہ اللہ تعالیٰ سے فیض لینے کا واسطہ نہیں ہوتا۔ ۳۔ خلیفہ کا تعلق محض نظامِ جماعت سے ہوتا ہے۔ ۴۔ حدیث شریف میں صاف ہے کہ کفر بواح کی [۱] صورت میں خلیفہ معزول کیا جا سکتا ہے۔

پس جماعت کی اکثریت ایسی صورت میں معزول کر سکتی ہے بلکہ روحانی خلیفہ تو ایسی حالت میں بدرجہ اَولیٰ معزول ہونا چاہئے۔ حضرت امام حسنؓ نے خلافت چھوڑ دی اور یہ مقامِ مدح میں ان کا فعل شمار ہوتا ہے۔ باغیوں کے مطالبہ پر کہ حضرت عثمان خلافت سے الگ

ہو جائیں کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ تمہارا یہ مطالبہ اس لئے ناجائز ہے کہ شرعاً خلیفہ معزول ہو ہی نہیں سکتا۔ ۵۔ یہ بات اسی طرح غلط مشہور ہو گئی ہے جس طرح یہ کہ خلیفہ کا جنازہ خلیفہ ہی پڑھ سکتا ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کا جنازہ حضرت عثمانؓ نے نہ پڑھا تھا۔

آخر پر یہ اعتراف کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کو مَیں اپنے زمانہ طالب علمی سے جانتا ہوں' شروع شروع میں سالہا سال تک ان کے میرے ساتھ گہرے تعلقات رہے ہیں' ان کے بعض مجھ پر احسان ہیں' حُسنِ سلوک سے پیش آتے رہے ہیں مَیں نے دیکھا ہے کہ وہ بات کرنے میں بڑے ہی محتاط اور ہوشیار واقع ہوئے ہیں۔ مگر اب اِس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ ایک معمولی احمدی بھی ایسی باتیں نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اِن کے اس انقلاب کا اصلی باعث کیا ہے۔

پچھلے دنوں میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ وہ احمدیہ بازار میں کھڑے ہیں' منہ فَق اور خشک ہو گیا ہے' ہونٹوں پر بار بار زبان پھیرتے ہیں گھبرائے ہوئے ہیں' بار بار تھُو کتے ہیں' پگڑی بھی گلے کی طرف ڈھلکی ہوئی ہے۔ خواب میں، مَیں نے تعجب کیا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے۔ پاس ان کا ایک چھوٹا لڑکا بھی کھڑا ہے۔ **وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ**

والسلام

خاکسار

حضور کا ادنیٰ ترین خادم

تاج الدین لائل پوری ۲۰۔ اپریل ۱۹۳۷ء

جب یہ خط مجھے ملا تو میں نے فوراً لکھا کہ اس کی تحقیقات کی جائے اور فخر دین صاحب ملتانی کا بیان لیا جائے۔ چنانچہ ان کا بیان لیا گیا جس کے ضروری حصے یہ ہیں۔

میاں فخر الدین صاحب کا بیان

میں آپ کے سوالات کا جواب اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر جو مجھے صحیح صحیح یاد ہے دیتا ہوں۔

۱۔ احسان علی وغیرہ کے الزامات کے متعلق جن ذمہ دار لوگوں کو باز پُرس کرنی چاہیئے تھی انہوں نے نہیں کی۔

۲۔ ذمہ دار سے مراد نظارت امور عامہ' حضرت صاحب کی طرف سے ہیں۔

۳۔ ہم نے باز پُرس کرانے کیلئے اس لئے ضرورت نہیں سمجھی کہ ہم سے متعدد مرتبہ

وعدہ کیا گیا تھا کہ کیس ختم ہونے پر ان تمام امور کے متعلق باز پُرس کی جائے گی۔ علاوہ ازیں پہلے بھی نظارت کا یہی رویہ ہے کہ ایسے امور کے متعلق خود ہی بغیر کسی درخواست کے نوٹس لیتی ہے۔ چنانچہ علی گوہر صاحب کی لڑکی پر قتل کے الزام والے مقدمہ میں جب وہ بَری ہوگئی تھی تو نظارت امور عامہ نے ان سے باز پُرس کی تھی کہ تم نے جھوٹی گواہیاں کیوں دیں۔ وعدہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ نظارت امور عامہ نے بھی اور غالبًا خود حضرت صاحب نے بھی مصری صاحب سے فرمایا تھا۔ اُس وقت کے ناظر خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب تھے۔

۴۔ مجھے الیکشن کے بعد یہ علم ہؤا کہ پٹرول لینے والوں نے احسان علی سے کئی ایک خاص الخاص مراعات رکھ کر پٹرول گراں خریدا ہے حالانکہ اس سے ارزاں بھی مل سکتا تھا۔ بٹالہ میں مَیں نے کسی سے سنا تھا کہ وہاں ۵۰ روپے پیشگی دے کر فی گیلن کے حساب سے لیا گیا تھا مگر بعد میں وہاں سے سَودا منسوخ کرا کے سارا ٹھیکہ احسان علی کو دیا گیا اور اس طرح جس قدر پٹرول بھی الیکشن کیلئے خرچ ہوا، گراں قیمت پر لیا گیا حالانکہ اگر کمپنی سے براہ راست سَودا کیا جاتا تو وہ کمیشن بھی انجمن کو بچ سکتا تھا۔ جہاں تک میرا خیال ہے کہ پٹرول کے سَودا کرنے کے ذمہ وار نظارت کی طرف سے بظاہر حالات نیر صاحب تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے ساتھ رعایت کیوں کی۔ البتہ چند سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ سیالکوٹ ہاؤس کے مالک محمد اسحٰق کو سکول والوں نے کچھ سپرٹ بٹالہ سے لانے کیلئے کہا۔ چونکہ قواعد کی رو سے خاص مقدار سے زائد سپرٹ وہ بذریعہ ریل لانے کا مجاز نہ تھا، تو اُس وقت احسان علی نے خفیہ طور پر اکسائز انسپکٹر کو جا کر رپورٹ کر کے بٹالہ کے اسٹیشن پر پکڑوا دیا۔ اسحٰق رات بھر حوالات میں رہا پھر اس پر پانچ روپے جُرمانہ ہوا۔ اس کے دوسرے یا تیسرے روز حضرت صاحب کی خدمت میں غالبًا کسی دعوت کے موقع پر یہ معاملہ پیش ہوا تو حضرت صاحب نے پریذیڈنٹ لوکل انجمن کو فرمایا کہ اس کے متعلق سخت نوٹس لیا جائے کہ ایسی کارروائی کیوں کی گئی۔ جب لوکل پریذیڈنٹ نے احسان علی کو حضرت صاحب کا یہ ارشاد سنایا تو اُس نے برملا کہا کہ حضرت صاحب کو اگر علم ہوتا کہ رپورٹ احسان علی نے کی ہے تو حضرت صاحب کچھ نہ فرماتے۔ اس کے بعد سنا تھا کہ رپورٹ وغیرہ کارروائی مکمل ہوکر ذمہ وار لوگوں تک پہنچی مگر کسی نے احسان علی سے کچھ نہ پوچھا۔

۵۔ میں نے کہا ہے کہ عبدالرحمٰن کو بغیر کسی معقول QUALIFICATION کے

حال ہی میں دفتر تحریک جدید میں پچیس روپے ماہوار پر ملازم رکھ لیا ہے حالانکہ اس سے زیادہ تعلیم و تجربہ والے ایف۔اے اور بی۔اے پاس تک یہاں پندرہ پندرہ بیس بیس پر ملازم ہیں۔اور پھر اس کو ایسے وقت یہ خاص رعایت دی گئی ہے جبکہ اس کے متعلق خفیہ رپورٹوں کے ذریعہ کئی ایک شکایات پہنچ چکی ہیں۔

۶۔ مجھے مندرجہ ذیل الفاظ کہے ہوئے یاد نہیں کہ ''میں تو اس میں اپنی ہتک سمجھتا ہوں اور ہمیں انصاف کی توقع نہیں'' اور ممکن ہے میں نے اس مفہوم کا فقرہ کہا ہو کہ ان الزامات کے متعلق خود دعویٰ کر کے اَور بے عزت ہوں۔کیونکہ یہ دعویٰ ہی اسی قسم کا ہے کہ اس کی جرح قدح میں ملزمین مدعیوں کو ذلیل کرنے کیلئے بہت کچھ خاک اُڑا سکتے ہیں۔انتظامی طور پر رپورٹیں کافی سے زیادہ پہنچ چکی ہیں۔

۷۔بجواب اِس سوال کے کہ آیا آپ اِس وقت بھی حضرت صاحب کی خدمت میں یا قضاء یا امور عامہ میں دعویٰ کرنے کو ہتک سمجھتے ہیں۔عرض ہے کہ نہیں بلکہ عنقریب میں احسان علی وغیرہ پر بقیہ مال مسروقہ کے متعلق قضاء میں دعویٰ کرنے والا ہوں۔ڈاکٹر فضل الدین صاحب سے مختار نامہ منگایا ہوا ہے۔مجھے یاد نہیں کہ ڈاکٹر فضل الدین صاحب نے کس کی طرف یہ بات لکھی تھی کہ مجھے لکھا گیا تھا کہ بعد فیصلہ مقدمہ کارروائی کی جائے گی۔

۸۔ میں نے جہاں تک مجھے یاد ہے مُخبر کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ جا کر دعویٰ کریں یہ کہا تھا کہ ایسے حالات میں بعض دفعہ دعویٰ کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی جاتی چنانچہ مقبول کے متعلق کوئی دعویٰ وغیرہ نہیں ہوا۔صرف خفیہ رپورٹوں یا ذاتی معلومات کی بناء پر اُس کے اخراج کا فیصلہ کیا گیا۔نہ صرف اخراج کا بلکہ اُس کے متعلق مقاطعہ کا خفیہ طور پر اعلان کیا گیا تھا۔اسی طرح اب بھی ان کے متعلق کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ مجھے یہ فقرہ کہا ہوا یاد نہیں کہ ''میں فیصلہ کے متعلق نہیں کہہ سکتا۔ ہاں اگر سابقہ ناراضگی درمیان میں حائل نہ ہو گئی تو............'' بجواب سوال کمیشن کے عرض ہے کہ واقعی عرصہ دو سال سے حضرت صاحب کسی نامعلوم وجہ کے ماتحت مجھ سے اور مصری صاحب سے اور مصباح الدین صاحب سے ناراضگی کا اظہار فرما چکے ہیں۔

۱۰۔ بجواب سوال کمیشن کہ کیا حضرت صاحب دیدہ دانستہ آپ کے خلاف فیصلہ کر دیں گے؟ عرض ہے کہ مَیں قبل از وقت اِس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔ بحیثیت خلیفہ کے مجھے

ان سے انصاف کی توقع ہے۔

۱۱۔ بجواب سوال کمیشن کہ جب آپ کو معلوم ہے کہ حضرت صاحب آپ پر ناراض ہیں تو آپ نے کوئی کوشش وجہِ ناراضگی کے معلوم کرنے کیلئے کی؟ عرض ہے کہ جن ذرائع سے مجھے اس اظہارِ ناراضگی کا علم ہوا انہی ذرائع سے میں نے بعض بیان کردہ وجوہات ناراضگی کا تسلی بخش جواب بھیجا جو حضور تک پہنچ گیا۔ اوران وجوہات میں جس قدر وجہ میرے امکان میں تھی اس سے اجتناب کرلیا مگر باوجوداس کے بھی ناراضگی بدستور چلی گئی جس سے میں یہی سمجھتا ہوں کہ وجوہاتِ ناراضگی اور ہیں جو ابھی تک ظاہر نہیں کئے گئے۔ دسمبر ۱۹۳۵ء کے آخر میں مَیں نے ایک دعوت کی جس میں علاوہ دیگر معزز دوستوں کے حضرت صاحب کی خدمت میں بھی دعوت نامہ بھیجا۔ اِس پر حضرت صاحب نے بطور ناراضگی دعوت میں آنے سے انکار فرمایا۔ اس پر مَیں نے پھر مفصّل عریضہ دوسرے روز لکھا جس میں غالباً وجوہاتِ ناراضگی دریافت کی گئی تھیں اور پیشگی معافی بھی مانگی گئی تھی مگر اِس کا جواب کچھ نہ آیا۔ اس کے بعد سید عزیز اللہ شاہ صاحب کے ذریعہ وجوہاتِ ناراضگی میرے پاس پہنچیں۔ ان کے ایک ایک کر کے معقول اور مدلّل جواب ان کے ذریعہ بھیجے۔ پھر اس کے بعد حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے دسمبر ۱۹۳۶ء میں زبانی کوئی اشارہ کیا' اس پر بھی میں نے ان کو کہا کہ مجھے بتلایا جائے کہ میرے متعلق کیا شکایت ہے تاکہ میں اس کا ازالہ کروں مگر وہ بھی کوئی خاص معیّن شکایت نہ بتلا سکے۔ اس پر میں نے ان کی مزید تسلی کیلئے ایک مفصّل عریضہ لکھا جس کی نقل مَیں کمیشن کے مطالعہ کیلئے پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمالیں۔ پس جب تک مجھے اصل وجہِ ناراضگی کا علم نہ ہو تب تک میں حضور کی ناراضگی کس طرح دور کرسکتا ہوں۔ اس سے قبل میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب بھی مجھے ناراضگی کے متعلق فرما چکے تھے۔ اس کے بعد ابھی ایک دو ماہ گزرتے ہیں، میاں محمد عبداللہ خان صاحب نے بیان کیا۔

جبکہ اسی خیال کے ماتحت خُفیہ آدمی کئی ایک میرے اِردگرد چھوڑ رکھے تھے۔ اس دو سال کے عرصہ میں انہیں کوئی بات مجھ سے سلسلہ کے خلاف نہ مل سکی۔ اور اگر ملیں تو یہ چند شکایات جو مَیں نے ان سی۔ آئی۔ ڈی کو حضرت صاحب تک اپنی آواز پہنچانے کا ذریعہ سمجھ کر بیان کیں۔ اور وہ بھی اُس وقت جبکہ سی۔ آئی۔ ڈی والے اپنی ڈائری مکمل کرنے کیلئے یا اس کی خانہ پُری کرنے کے لئے مجھ سے خواہ مخواہ چھیڑ خوانی کر کے کچھ نہ کچھ نکالنے کیلئے کوشش کرتے تھے۔ اور

یہ شکایات بھی دو سال کے عرصہ میں صرف اِسی ایک دو ماہ کے عرصہ میں۔ باقی تمام ڈیڑھ دو سال وہ ناکام رہے۔''

مجھے قطعاً یاد نہیں آتا کہ میں نے یہ فقرہ کسی گفتگو کے دوران میں کہا کہ اب تو ہمارا جلدی ہی اخراج ہونے والا ہے۔ یا اب ہمارے تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اور اس کے الفاظ کا اشارہ حضرت صاحب کے کسی خطبہ کی طرف ہو۔

۱۲۔ بجواب اس کے کہ آپ کے پاس اِس امر کا کیا ثبوت ہے کہ حضرت صاحب نے آپ کیلئے سی۔آئی۔ڈی مقرر کی ہے عرض ہے کہ اس کا ثبوت میرا مشاہدہ اور رپورٹروں کا عمل اور رپورٹروں کا بار بار میرے سی۔آئی۔ڈی کہنے پر ان کا انکار نہ کرنا۔ اور رپورٹروں کا خفیہ طور پر بار بار میرے پاس آکر مجھے اُکسا کر' بھڑکا کر اور میرے خلافِ طبع باتیں سنا کر' اشتعال دلا کر مجھے اس پر یقین کرنے کیلئے کافی ہے۔ پھر مولوی عبدالاحد اور ماسٹر غلام حیدر اور مولوی تاج دین وغیرہ کا الگ کھڑے ہو کر سرگوشیاں کرنا وغیرہ سب امور ایسے ہیں کہ جو مجھے اس امر کا باور کرانے کیلئے کافی ہیں۔

بجواب کمیشن عرض ہے کہ مجھ سے ان میں سے کسی نے زبانی طور پر اقرار نہیں کیا مگر عملی طور پر ان کا رویہ بالکل بیّن تھا۔ غالباً کسی اور نے بھی ان کا نام لیا تھا کہ یہ آدمی خفیہ مقرر ہیں۔ مگر یاد نہیں کہ وہ کون تھے یا تھا۔ مگر ان کا رویہ ایسا رہا ہے کہ کسی دوسرے کے کہنے کی ضرورت نہیں۔

۱۳۔ اس کے بعد دوبارہ ایک تحریری بیان دیا۔ جس میں یہ لکھا کہ پہلے بیان میں ذمہ وار لوگوں کے خلاف شکایت سے مراد میری خود خلیفۃ المسیح سے ہے۔ پھر لکھا ہے۔'' ہاں یہ مَیں ضرور عرض کروں گا کہ اس امتیازی سلوک کا جو احسان علی وغیرہ سے ہمارے معاملہ میں کیا گیا ہم کو رنج اور سخت رنج پہنچا۔ مگر اس رنج کا اثر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ اتنا وسیع نہیں کہ ہمارے ایمان اور عمل پر کسی طرح اثر انداز ہو۔

پھر یہ لکھا کہ مصری صاحب کا بیان تھا کہ خلیفۃ المسیح نے بار بار اور وثوق سے تسلی دلائی ہے کہ چوری کے معاملہ میں احسان علی ملوث ہے۔ مگر دورانِ مقدمہ میں کوئی کارروائی نہیں کر سکتے، اس کے بعد کریں گے۔ اس پر مصری صاحب نے مرزا عبدالحق صاحب سے مشورہ کیا۔ جنہوں نے کہا کہ قانوناً دورانِ مقدمہ میں ایسی کارروائی میں کچھ حرج نہیں مگر پھر بھی ان کو اہانت اور جھوٹے الزامات لگانے سے نہیں روکا گیا۔ خلیفۃ المسیح نے تو یہ سلوک کیا' ان کے

بھائیوں نے یہ کیا کہ میاں بشیر احمد صاحب نے احسان علی کو مقدمہ کیلئے قرض دیا اور سید منظور علی شاہ صاحب کو عبدالمنان کی ضمانت دینے کیلئے سکول سے چُھٹی دلوا کر گورداسپور بھیجا' میاں شریف احمد صاحب نے یہ سلوک کیا کہ احسان علی نے ان کے پاس نوے روپے مال مسروقہ کے نکلوا کر بھجوائے لیکن انہوں نے باوجود علم کے کہ چوری میں نوے روپے بھی تھے، ہمیں علم تک نہ دیا اور آخر تک مخفی رکھا جب تک کہ احسان علی نے اسے بطور ڈیفنس کے پیش نہ کیا۔ پھر جیسا کہ احسان علی نے امور عامہ میں تحریر دی تھی میاں شریف احمد صاحب نے اسے مشورہ دیا کہ فوراً جا کر راجہ عمر دراز صاحب تھانیدار کو قابو کر لو۔ آگے لکھا ہے دروغ بر گردنِ راوی، جس پر معاملہ ٹھنڈا کر دیا گیا اور ہمیں ناظر امور عامہ سے مل کر سپرنٹنڈنٹ پولیس سے شکایت کرنی پڑی۔

پھر جب عبدالرحمٰن برادر احسان علی کا نام چوری میں شرکت کے بارہ میں لیا گیا تو ہمیں ہدایت بھجوائی گئی کہ اگر کسی کو مشتبہ قرار دے کر اسے چور ثابت نہ کر سکے تو سخت نوٹس لیا جائے گا۔

''ان تمام واقعات اور حالات کو مدنظر رکھ کر ایک انسان جو حضرت صاحب اور حضرات میاں صاحبان اور نظارت امور عامہ پر کافی اعتماد رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ یہ مقدس ہستیاں کبھی بھی چوروں کا ساتھ دینے کو تیار نہ ہوں گی، بلکہ مظلوموں، بیکسوں اور بے گناہ دوستوں کی ہر ممکن امداد کریں گی، ایسے انسان کو اس قسم کے غیر متوقعانہ امتیازی سلوک سے رنج پہنچنا اور اس کے احساسات کو دھکّا لگنا فطرتی امر ہے''۔

بعد کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پر بھی ہم نے حُسنِ ظنّی قائم رکھی لیکن مقدمہ کے بعد بھی خاموشی ہے اور ہمارے صبر کا صلہ یہ مل رہا ہے کہ ہم پر سی۔آئی۔ڈی مسلّط کر دی گئی ہے۔ احسان علی پر ڈاکٹر اسمٰعیل نے الزام لگائے تو اس کی امداد کیلئے روپیہ خرچ کیا گیا مگر مظلوم لڑکیوں اور عورتوں پر گندے اور جھوٹے الزامات کی رپورٹیں حضرت صاحب تک پہنچتی ہیں، اڑھائی تین ہزار کی چوری ہوتی ہے لیکن اس کیلئے نظامِ سلسلہ کے ماتحت بھی سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ برعکس ان مظلوم عورتوں کی عفّت کی حفاظت کرنے والوں کے خلاف منافقت کا پروپیگنڈا کر کے انہیں بدنام کیا جاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے الزام لے کر کہا جاتا ہے کہ گویا ہم حضرت صاحب اور نظام سلسلہ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔

بے تکلّفانہ انداز میں میرے جیسے بے تکلّف آدمی کے منہ سے صدہا ایسی باتیں نکلتی ہیں جنہیں معمولی عقل کا آدمی بھی کوئی وقعت نہیں دیتا۔

کہا گیا ہے کہ میں نے مولوی ظفر محمد صاحب سے کہا کہ تم ان خدمات کے بدلہ میں ناظر بنا دیئے جاؤ گے۔ اوّل تو مجھے یہ یاد نہیں۔ پھر ممکن ہے مذاق میں مَیں نے اِس سے بھی بڑھ کر الفاظ کہے ہوں۔ خود مولوی ظفر محمد صاحب مجھ سے مذاق کر لیتے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے مجھے ملے اور ہنس کر کہا کہ اب میں امور عامہ میں آ گیا ہوں (یعنی اب تمہاری خبر لوں گا) اسی طرح خان صاحب فرزند علی صاحب نے مذاق میں مجھ سے کہا مجھے ناظر امور عامہ بننے دو، پھر خبر لوں گا مگر یہ سب باتیں مذاق کی ہیں۔

کیا پُرانا خادم ہونے کی حیثیت سے حضرت صاحب کا فرض نہ تھا کہ مجھے بُلا کر مربیانہ طور پر سمجھا دیتے۔ حضرت عمرؓ کے روبرو تو لوگ کھڑے ہو کر اپنے اعتراضات پیش کر دیا کرتے تھے اور اپنے مطالبات مرارت[۱۲] آمیز طریق پر پیش کر دیا کرتے تھے لیکن اب مقرر کردہ آدمیوں کے ذریعہ سے بات پہنچائی جائے تو اس پر بھی گرفت کی جاتی ہے۔ اگر میں تحقیق کے موقع پر باتیں بیان نہ کرتا تو منافق قرار پاتا۔ اب بیان کر دی ہیں تو ملزم گردانا گیا ہوں۔ پہلے خلفاء لوگوں کی تکالیف چُھپ چُھپ کر معلوم کرتے تھے مگر یہاں معاملہ اور ہے۔ بجائے دادرسی کے اُلٹا ہم پر مقدمہ چلایا گیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تقریر

اس بیان کی بنیادی کڑی جس پر ساری بنیاد ہے، یہ ہے کہ میں فخر الدین صاحب پر بلا وجہ ناراض ہوا اور ان کیلئے سی۔آئی۔ڈی مقرر کر دی جو یہ تین آدمی ہیں۔ مولوی تاج دین صاحب، مولوی عبدالاحد صاحب اور ماسٹر غلام حیدر صاحب۔ یہ تینوں صاحب آگے آ جائیں۔

مولوی تاج الدین صاحب، مولوی عبدالاحد صاحب اور ماسٹر غلام حیدر صاحب کا حلف

چنانچہ یہ تینوں آگے آ گئے اور حضور نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ تینوں جانتے ہیں کہ یہ مسجد اقصیٰ ہے جس کے متعلق قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ نے پیشگوئیاں فرمائی ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک بھی یہ جگہ نہایت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ اس مقام پر میں خلیفہ وقت ہونے کی حیثیت سے آپ لوگوں کو حلف دیتا ہوں آپ لوگ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کی وعید کو یاد رکھتے ہوئے قسم اُٹھائیں

کہ 'میں نے کبھی آپ لوگوں کو اشارتاً کنایتاً یا وضاحتاً ' تقریراً یا تحریراً بِلا واسطہ یا بالواسطہ فخر الدین صاحب کی نگرانی کیلئے یا ان کے متعلق رپورٹ کرنے کیلئے کہا تھا اور حلف اُٹھاتے وقت یاد رکھیں کہ اگر ایک لفظ بھی جھوٹ کہا تو آپ لوگ خدا کی لعنت سے نہیں بچ سکیں گے' نہ مَیں نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور نہ رسول کریم ﷺ آپ کو بچا سکیں گے اور اگر جھوٹ بولیں گے تو آپ لوگوں کے گھر برباد ہو جائیں گے۔ (اس کے بعد ان تینوں اصحاب نے **لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ** کے ساتھ یہ حلف اُٹھائی کہ حضور نے ہمیں کبھی اور کسی طرح بھی اس کام پر مقرر نہیں کیا۔)

اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ میاں فخر الدین صاحب کے الزامات کی ساری بنیاد اس بات پر ہے کہ میں نے ان سے ناراض ہو کر ان پر سی۔آئی۔ڈی مقرر کر دی اور وہ مجھ پر بددیانتی کا الزام لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے بِلاوجہ ان پر عرصہ دو سال سے سی۔آئی۔ڈی مقرر کر رکھی ہے اور سی۔آئی۔ڈی کے آدمی یہ ہیں۔ جنہوں نے آپ کے سامنے **لَعْنَت اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ** کہہ کر گواہی دی ہے۔اس سے آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ میں ان پر بدظن ہوا یا وہ مجھ پر بدظن ہوئے۔

پھر ان کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے سید عزیز اللہ شاہ صاحب سے ان کے متعلق ازخود کوئی باتیں کیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے میں نے کوئی بات ازخود ان سے نہیں کی بلکہ سید صاحب چونکہ ان کے دوست تھے، انہوں نے خود مجھ سے باتیں کی تھیں۔

سید عزیز اللہ شاہ صاحب کا حلفی بیان

چنانچہ حضور کے بلانے پر جناب سید صاحب نے حلفیہ بیان کیا کہ میاں فخر الدین صاحب کے متعلق مَیں نے حضور سے خود باتیں کی تھیں۔ حضور نے نہیں کی تھیں اور جو کچھ آپ نے کہا ان کو مَیں نے اپنے طور پر پہنچایا تھا اور انہیں سن کر حضور تک پہنچانے کیلئے فخر الدین صاحب نے جو باتیں مجھ سے کہیں وہ میں حضور تک نہیں پہنچا سکا تھا اور جاتی دفعہ مَیں نے فخر الدین صاحب سے کہہ دیا تھا کہ میں حضور سے نہیں مل سکا اس لئے آپ کی باتیں بھی حضور تک نہیں پہنچ سکیں۔ ہاں مَیں نے ہمشیرہ سے کہا ہے کہ کسی طرح میاں فخر الدین صاحب کو حضرت صاحب سے ملوانے کی اجازت لے دیں۔ چنانچہ اب چار روز ہوئے جب میں اجازت لے کر ان سے ملا ہوں تو بھی میں نے ان کو یاد دلایا تھا کہ آپ کا یہ کہنا کہ مَیں نے

حضرت صاحب کو باتیں پہنچا دی تھیں مگر پھر بھی کوئی ازالہ نہیں ہوا، غلط ہے۔ مَیں نے تو اسی وقت آپ سے کہا تھا کہ مَیں حضرت صاحب سے نہیں مل سکا اور آپ نے مجھ پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ واہ! میرا یہ کام بھی نہ کیا۔

میاں فخر الدین کی دیانت کا حال

پھر انہوں نے بیان میں لکھوایا ہے کہ میں نے کسی سے نہیں کہا کہ میرا اِخراج ہونے والا ہے' گو آگے یہ فقرہ بڑھا دیا ہے کہ کسی خطبہ کے متعلق نہیں کہا حالانکہ اصل شہادت میں خطبہ کا لفظ نہیں۔ خطبہ کی طرف اشارہ تو راوی نے اپنی عقل سے سمجھا ہے۔ اصل لفظ گواہ کے اس بارہ میں یہ ہیں فخر الدین صاحب نے اسی اثناء میں کہا۔ کہ ''اب ہمارے تھوڑے دن رہ گئے ہیں'' (بیان مولوی عبدالاحد صاحب مولوی فاضل) اس کی تصدیق مولوی علی محمد صاحب اجمیری مولوی فاضل مبلّغِ سلسلہ ان الفاظ میں کرتے ہیں ۔ میں حلفیہ تصدیق کرتا ہوں کہ بابو فخر الدین صاحب نے یہ الفاظ کہے تھے'' ان الفاظ میں خطبہ کا کوئی ذکر نہیں ۔ ہاں مولوی عبدالاحد صاحب نے مولوی علی محمد صاحب سے بعد میں کہا کہ ملتانی صاحب کا اشارہ خلیفۃ المسیح کے خطبہ کی طرف معلوم ہوتا ہے مگر سوال یہ نہیں کہ اس فقرہ کا مطلب مولوی عبدالاحد صاحب نے کیا سمجھا۔ سوال یہ ہے کہ میاں فخر الدین صاحب نے کیا کہا تھا۔ سو انہوں نے اِس فقرہ میں کہیں خطبہ کا ذکر نہیں کیا۔ صرف یہ کہا ہے کہ اب ہمارے دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ خواہ اس سے یہ مراد ہو کہ ہمیں جماعت سے نکال دیا جائے گا یا یہ کہ ہم خود جماعت سے نکل جائیں گے مگر ان کی دیانت یہ ہے کہ جواب دیتے ہوئے وہ ان الفاظ میں انکار کرتے ہیں۔

''مجھے قطعاً یاد نہیں کہ میں نے یہ فقرہ کسی گفتگو کے دَوران میں کہا کہ اب تو ہمارا جلدی ہی اخراج ہونے والا ہے یا اب ہمارے تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اور اس کے الفاظ کا اشارہ حضرت صاحب کے کسی خطبہ کی طرف ہو'' آخری فقرہ کی زیادتی صاف بتاتی ہے کہ ان کا منشاء یہ تھا کہ بظاہر تو یہ سمجھا جائے کہ میں نے یہ فقرہ کہا ہی نہیں لیکن اگر ثابت ہو جائے تو میں کہہ سکوں کہ میرا مطلب یہ تھا کہ کسی خطبہ کے متعلق ایسا نہیں کہا تھا۔ حالانکہ گواہی میں جو اُن کی طرف الفاظ منسوب کئے گئے ہیں ان میں خطبہ کا لفظ ہی نہیں ہے۔ خطبہ کی طرف اشارہ تو صرف گواہ کے ذہن میں آیا ہے اور اس نے بعد میں کسی دوست سے اس کا اظہار کیا ہے۔ اب میں میاں فخر الدین صاحب کی ایک اپنی تحریر سے ثابت کرتا ہوں کہ انہوں نے غلط انکار کیا ہے۔ یہ فقرہ وہ ایک سے

زیادہ دفعہ کہہ چکے تھے۔ وہ اپنے ایک خط میں میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب کو لکھتے ہیں۔

''لو آج مَیں آپ کو کہتا ہوں کہ قاضی اکمل کے فیصلہ کے وقت ہی میں اپنے اخراج کو بھی بھانپ گیا تھا۔ اور اسی وقت میں نے قاضی صاحب کو کہہ دیا تھا کہ اب میری باری ہے۔''

اس فقرہ سے ظاہر ہے کہ میاں فخر الدین اپنے دلی خیالات کی وجہ سے دیر سے اپنے اخراج کے امیدوار تھے اور اس کا اظہار کر چکے تھے مگر باوجود اس کے اپنے حلفیہ بیان میں وہ اس امر کا انکار کرتے ہیں اور اپنے نفس کو تسلی دلانے کیلئے انکار کے آگے ''کسی خطبہ کے متعلق نہیں کہا'' کے الفاظ بڑھا دیتے ہیں۔ حالانکہ گواہ نے یہ صرف کہا تھا کہ انہوں نے یہ فقرہ کہا تھا، کہ اب ہمارے تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اور اس سے میں نے یہ سمجھا کہ خطبہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

دل میں چور کا ثبوت

پھر لطیفہ یہ ہے کہ میاں فخر الدین اپنے اوپر سی۔ آئی۔ ڈی مقرر ہونے کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ مولوی عبدالاحد صاحب، مولوی تاج الدین صاحب اور ماسٹر غلام حیدر صاحب باہم سرگوشیاں کیا کرتے تھے۔ مگر یہ ثبوت تو جُرم کی نفی کرنے کی بجائے جُرم کو ثابت کرنے والا ہے کیونکہ ایسی باتیں تبھی دل میں پیدا ہوتی ہیں جب دل میں جُرم ہو۔ کہتے ہیں کسی برہمن سے گائے کی بچھیا مر گئی اور چونکہ ہندو مذہب میں یہ ایک بہت بڑا جُرم ہے اور برہمن سے گائے مرے تو اس کی سزا موت ہے۔ اس نے خیال کیا کہ لوگوں کو جب اِس کا علم ہوگا، وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے اس لئے گھر کو تالا لگا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن دل پر خوف اس قدر طاری تھا کہ جہاں دو آدمیوں کو باتیں کرتے دیکھتا خیال کرتا کہ شاید ان کو میرے جُرم کا پتہ لگ گیا ہے اور میرے ہاتھ سے بچھیا مر جانے کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس خیال کی وجہ سے گھبرایا ہوا اُن کے پاس جاتا اور پوچھتا کہ آپ کیا باتیں کر رہے تھے۔ وہ جواب دیتے کہ کچھ نہیں، ہم آپس میں کوئی اپنی بات کر رہے تھے' تمہارے متعلق کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔ وہ کہتا کہ میرا نام تو آپ نے لیا تھا اور بچھیا بچھیا کہہ کر آپ کچھ باتیں کر رہے تھے۔ پھر وہاں سے آگے چلتا اور پھر جو آدمی باتیں کرتے ہوئے نظر آتے، ان سے اسی قسم کی بات کرتا۔ آخر لوگوں کے دلوں میں شک پیدا ہوا اور شہر سے نکلنے سے پہلے لوگ اسے پکڑ کر اس کے گھر لائے اور بچھیا مری ہوئی گھر سے مل گئی اور اُسے سزا مل گئی۔ اسی طرح ان صاحب کے دل میں چونکہ باغیانہ خیالات تھے اور خلیفۂ وقت کے خلاف بدظنی کے

خیالات پھیلا رہے تھے اور جانتے تھے کہ میں خلافِ شریعت اور خلافِ آداب کام کرتا ہوں اس لئے جہاں بھی دو آدمی کھڑے باتیں کرتے دیکھتے تھے سمجھتے تھے کہ یہ سی۔آئی۔ڈی کے ہیں اور میرے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔

گندے اتہامات

میاں فخر الدین صاحب نے اپنے بیان میں بعض گندے اتہام مستریوں کی طرح گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کے طور پر بھی لگائے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مصری صاحب بھی اسی سلسلہ میں تیاری کر رہے ہیں۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ یہ ان کا کام ہے کہ اپنی قانونی' اخلاقی اور مذہبی ذمہ واری کو سمجھتے ہوئے اپنے الزامات کو شائع کریں، میرا یہ کام نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں کہ وہ خود ان کو جواب دے۔

اب میں مقدمہ کے حالات کو لیتا ہوں۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ احسان علی وغیرہ سے امتیازی سلوک کیا گیا اور کہ میں نے مصری صاحب سے کہا تھا کہ احسان علی بھی اس چوری میں ملوث ہے۔ اس کے متعلق میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ میرا تو ہمیشہ سے یہ طریق رہا ہے کہ جس کے متعلق کوئی جُرم ثابت ہو، صرف اسی کے متعلق کہا کرتا ہوں کہ وہ مُجرم ہے کسی کو بِلا وجہ صرف الزام سن کر مُجرم نہیں قرار دیتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن لوگوں کی طرف سے پہلے یہ رپورٹ ہوئی کہ شمس الدین جوان کی بہن کا لڑکا ہے جن کے ہاں چوری ہوئی تھی، چور ہے۔ اور اس کے کچھ دن بعد رپورٹ کی گئی کہ عبدالرحمٰن برادر احسان علی صاحب نے شمس الدین سے مل کر چوری کی ہے۔ اس کے بعد ان کی طرف سے مجھے کئی دفعہ اطلاع ملی کہ اس چوری میں احسان علی صاحب، عبدالرحمٰن اور ان کی والدہ بھی شامل ہیں۔ لیکن میں ان سے یہی کہتا رہا ہوں کہ بِلا ثبوت کسی کا نام نہ لیں۔ ہاں جس کے بارہ میں دلیل ملے، اسے پیش کرتے جائیں۔ ہر عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے کہ اس طرح بِلا ثبوت نام لیتے چلے جانے سے کسقدر فتنہ پیدا ہوسکتا ہے۔ شریعت اس قسم کی شہادت کو جائز نہیں قرار دیتی۔ آخر جس کا نام لیا جائے اگر وہ ملوث نہ ہو اور بِلا وجہ اسے بدنام کیا جائے تو کیا وہ عزت کی ہتک کا دعویٰ نہ کرے گا۔ اور اگر وہ دعویٰ نہ بھی کرے تو کیا اس کے دل میں غصہ نہ پیدا ہوگا۔ پھر شریف، پردہ دار عورتوں کا نام بے احتیاطی سے لے دینا کس قدر خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ غرض میری طرف سے انہیں احتیاط کی نصیحت ہوتی رہی ہے اور یہ غلط ہے کہ میں نے کبھی بھی یہ کہا ہو کہ چوری میں احسان علی صاحب کا دخل تھا۔ میں یقیناً یہ سمجھتا ہوں کہ چوری کے معلوم ہونے

کے بعد احسان علی صاحب نے اپنے بھائی کے بچانے کی کوشش کی مگر یہ تو دنیا کے اکثر لوگ کرتے ہیں اور کوئی انہیں چور نہیں قرار دیتا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ احسان علی صاحب کا خود چوری میں کسی قسم کا دخل نہ تھا اور کسی مرحلہ پر بھی مجھے ان کے متعلق یہ وہم نہیں ہوا کہ وہ چوری میں شریک تھے اور میں نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ چوری کے معاملہ میں احسان علی ملوث ہے۔ یہ محض افتراء ہے، خواہ مصری صاحب نے کیا ہو یا ملتانی صاحب نے، ان کی طرف خود بات بنا کر منسوب کر دی ہو۔

چوری کا واقعہ

یہ چوری کا واقعہ غالباً فروری ۱۹۳۶ء کا ہے جب میں سندھ میں تھا۔ واپس آنے پر مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر فضل دین صاحب کے ہاں چوری ہوگئی ہے۔ میں نے اس کے متعلق تحقیقات شروع کروائی اور اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے امور عامہ کی معرفت ان کے گھر سے دریافت کروایا کہ انہیں کسی پر شُبہ تو نہیں۔ ان کی طرف سے مصری صاحب یا ملتانی صاحب نے امور عامہ کو بتایا کہ شمس الدین پسر احمد دین صاحب زرگر جو اہلیہ ڈاکٹر فضل دین صاحب کی بہن کا لڑکا ہے، صرف اسے کُنجیوں کا پتہ تھا اور تالا ایسا ہے کہ جس کے کھولنے کی خاص ترکیبیں ہیں اور کُنجی کے اندر ایسی حرکت رکھی گئی ہے کہ جب تک وہ نہ ہو کُنجی لگتی ہی نہیں۔ شمس الدین چونکہ گھر میں آتا جاتا تھا، اس لئے ہم خیال کرتے ہیں کہ اس کے سامنے چونکہ تالا کھولا جاتا تھا، اُسے علم ہوگیا ہوگا۔ چنانچہ شمس الدین کے خلاف کارروائی شروع ہوگئی اس پر اس کی والدہ روتی ہوئی میرے پاس آئی اور کہا کہ اس کے لڑکے پر خواہ مخواہ الزام لگایا گیا ہے، وہ تو اُس وقت گھر میں تھا غالباً وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس نے کہا میں نے اسے بھیجا کہ جا کر نماز پڑھے وہ اُٹھ کر گیا اور اُسی وقت واپس آ گیا کہ نماز ہوگئی ہے اس طرح گویا وہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا اور بہنوں کی رنجش کی وجہ سے ہم تو ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے بھی نہیں۔ وہ بہت روئی مگر میں نے اسے کہا کہ ہم تحقیقات تو نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ صاحبِ خانہ کا بیان ہے کہ تالا ایسا تھا جسے واقف کے سِوا کوئی نہیں کھول سکتا۔ اوّل چور نے کُنجی تلاش کی ہے، پھر اُس کُنجی کو جس کے لگانے میں خاص راز ہے صحیح طور پر استعمال کیا ہے۔ پس کُنجی رکھنے کی جگہ کا علم ہونا اور پھر کُنجی کے استعمال کا علم ہونا، صاحبِ خانہ کے نزدیک ایسے شخص پر دلالت کرتا ہے جو گھر کا رازدان ہو۔ ان حالات میں ان کا شبہ اگر میاں شمس الدین پر ہو تو خواہ غلط ہو، ہمیں تحقیق پر مجبور کرتا ہے لیکن اگر تم خیال کرتی ہو کہ تمہارا لڑکا مُجرم نہیں تو تم

خدا تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کر و اور اُسے کہو کہ تو جانتا ہے ہم مُجرم نہیں ہیں۔ اور اگر واقعی تمہارا بچہ مُجرم نہیں تو وہ اسے ضرور بچالے گا۔ چنانچہ اس نے میری نصیحت پر عمل کیا اور میرے سامنے ہی لعنتیں ڈال ڈال کر دعائیں کرنی شروع کیں۔ اور مَیں نے دل میں اُسی وقت کہا کہ یا تو اس کا بچہ بچ جائے گا اور اگر مُجرم ہے تو تباہ ہو جائے گا۔ شمس الدین کی والدہ نے مجھ سے بھی درخواست کی کہ میں اُس کے بچہ کو بُلا کر سب حالات سنوں تا کہ مجھے حقیقت معلوم ہو جائے میں نے اُسے کہا کہ اُسے میرے پاس بھیج دینا چنانچہ وہ آیا اور اُس نے حالات سنائے جن سے میرے دل پر یہ اثر ہوا کہ یہ لڑکا چور نہیں ہے۔ دوسرے تیسرے دن مجھے ناظر امور عامہ نے اطلاع دی کہ مصری صاحب کی پارٹی کا خیال ہے کہ عبدالرحمٰن برادر احسان علی بھی چوری میں شریک ہے۔ اس پر مَیں نے اُن سے کہا کہ شمس الدین پر شک کی تو ایک وجہ بتائی گئی ہے کہ اس کی گھر میں آمد و رفت تھی اور کُنجی کا راز اُسے معلوم تھا، غیر کو معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ عبدالرحمٰن پر شک کیلئے اگر کوئی قرینہ ہو تو بتائیں' ورنہ شریعت کی رو سے وہ خود زیر الزام آجائیں گے اور اس طرح بجائے فائدہ کے نقصان اُٹھائیں گے۔ شمس الدین پر شک کی وجہ ایسی تھی کہ اس پر سوال اور جرح کی جاسکتی تھی' اسی طرح کسی اور پر شُبہ کیلئے بھی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ یہ بات ان کے فائدہ کی تھی کیونکہ بِلا وجہ کسی پر شک کرنے سے آدمی خود زیرِ الزام ہوسکتا ہے اور مظلوم ہوتے ہوئے اُلٹا ظالم کے مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ چوری وغیرہ کی قسم کے جرائم میں شکوک پر تحقیق کی بنیاد ہوتی ہے مگر شکوک تخمینیہ پر اس کی بنیاد ہوتی ہے نہ کہ شکوکِ وہمیہ پر۔ پس میں نے ان کے فائدہ کی ان کو بات کہی اور چونکہ انہوں نے جہاں تک میرا علم ہے کوئی ایسی تخمینی بات اُس وقت مجھے نہیں بتائی جس سے اس کے خلاف کارروائی کی جاتی، میں نے یہی خیال کیا کہ وہ اس نصیحت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ انہوں نے اسے ظلم قرار دے کر اپنے دل میں ایک گِرہ دے لی ہے۔ مگر بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ ان کا عبدالرحمٰن کا نام لینا کسی حقیقت پر مبنی نہ تھا کیونکہ اِس وقوعہ کے عرصہ بعد جب سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس ناظر امور عامہ ہو آئے تھے، دارالحمد کے باغ میں مصری صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ فلاں شخص کے پاس اس امر کے ثبوت ہیں کہ عبدالرحمٰن چوری میں شامل تھا۔ وہ شخص غالبًا قادیان سے چلا گیا اور مَیں اُس سے کچھ نہ پوچھ سکا۔ لیکن اسی عرصہ میں حکومت کی طرف سے ایک انسپکٹر پولیس اور ایک تھانہ دار ناظر امور عامہ کے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو ملنے کے نتیجہ

میں چوری کی تحقیق کیلئے مقرر ہوئے اور مصری صاحب اور ملتانی صاحب برابر ان کے ساتھ تفتیش میں مشغول رہے۔مگر وہ شکوک جو انہوں نے میرے پاس بیان کئے تھے یا تو ان کے پاس انہوں نے بیان نہیں کئے یا پھر پولیس نے انہیں قابلِ توجہ سمجھا نہیں، کیونکہ پولیس نے عبدالرحمٰن کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔جس سے دو باتوں میں سے ایک ظاہر ہے یا تو یہ کہ یہ لوگ خود سمجھتے تھے کہ جن کو ہم ثبوت کہتے ہیں، وہ ثبوت نہیں ہیں یا پھر یہ کہ پولیس نے ان کو ثبوت نہیں سمجھا۔دونوں صورتوں میں ان کا شکوہ بے جا ثابت ہوتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ میں نے جو نصیحت انہیں کی تھی وہ ان کے فائدہ کیلئے تھی۔ورنہ وجہ کیا ہے کہ انہوں نے ان شواہد کو پولیس کے آگے پیش نہیں کیا۔یا کیا تو انہوں نے جو بالکل غیر جانبدار تھے، اس طرف توجہ نہ کی۔اگر ان دونوں وجوہ کے علاوہ کوئی اور مصلحت تھی تو وہ ان کو ظاہر کرنی چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ میرا صرف یہ جُرم تھا کہ میں نے ان کی اور ساری جماعت کی خیر خواہی کی اور اسلام کے اس اصول کی طرف انہیں توجہ دلائی کہ تحقیق کی بنیاد بھی بعض دلائل پر خواہ وہ کمزور ہوں، ہونی چاہئے نہ کہ محض وہم پر۔اگر اِس وہم کے راستہ کو ہم کھول دیں گے تو کسی شریف کی عزت باقی نہیں رہتی۔اگر کسی اور کے ہاں چوری ہوتی اور وہ کہتا کہ مصری صاحب اور فخر الدین صاحب نے میرے ہاں چوری کی ہے تو کیا وہ اس الزام کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرتے اور کہتے کہ بہت اچھا تحقیق کرلو۔میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ سخت ناراضگی کا اظہار کرتے اور مطالبہ کرتے کہ اس شخص کو سزا ملنی چاہئے۔غرض جس شخص کے بارہ میں انہوں نے شک کی وجہ بتائی اس کے متعلق محکمانہ تحقیق شروع کر دی گئی اور پولیس کو بھی اطلاع کر دی گئی جنہوں نے مختلف آدمیوں کو بطور جاسوس اس پر مقرر کیا اور بعد تحقیق انہیں معلوم ہوا کہ اس پر شبہ درست نہیں۔

چوری کے متعلق دوسری رپورٹ

اس کے چند دن بعد ایک روز شام کے بعد مصری صاحب کا لڑکا حافظ بشیر احمد میرے پاس آیا، میں اُس وقت غالباً اُمّ طاہر کے ہاں تھا، اس نے دستک دی اور میں باہر آیا۔تو اس نے کہا۔کہ آج ایک سُراغ ملا ہے مگر ہم اسے استعمال نہیں کر سکتے۔آج عبدالمنان برادر ڈاکٹر احسان علی کہیں باہر سے آیا ہے اور اس کے پاس ایک گھڑی، تلوار اور کچھ نقدی دیکھی گئی ہے، وہ ڈاکٹر صاحب کا ہمسایہ بھی ہے اس لئے شک گزرتا ہے کہ وہ چور ہو اور بتا دیا گیا ہے کہ وہ صبح ہی واپس چلا جائے گا، اس لئے فوری کارروائی کی ضرورت ہے۔میں نے کہا تم ابھی میری

طرف سے آدمی لے جاؤ اور اس کے مکان کے اردگرد پہرہ لگا دو اور عبدالمنان جس وقت باہر آئے اسے کہو کہ تم کو (حضرت) خلیفۃ المسیح بلاتے ہیں اور اسے میرے پاس لے آؤ اور اگر کوئی مزاحم ہو تو اسے بھی کہہ دو کہ خلیفۃ المسیح کا حکم ہے کہ اسے وہاں لے جایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے وہاں کچھ آدمی مقرر کر دیئے اور میرا حُکم بتا کر اسے پکڑ لائے۔ اور بغیر میرے حکم کے وہ قانوناً اسے نہیں پکڑ سکتے تھے۔ کیونکہ میرے حُکم کے بعد وہ اپنی مرضی سے ساتھ ہو گیا۔ اس کے بغیر اسے اگر وہ پکڑتے تو جبراً پکڑتے اور جبراً کسی کو پکڑنا خود ایک جُرم ہے۔ حتّٰی کہ پولیس بھی خاص اختیارات یا وارنٹ کے بغیر کسی کو نہیں پکڑ سکتی۔ مگر میاں فخر الدین صاحب کی دیانت داری دیکھیں کہ وہ لکھتے ہیں۔ ''آخر جب ہم نے رات کو اُسے جا کر قابو کیا'' حالانکہ اگر میری مدد اور میرے حُکم کے بغیر وہ اسے پکڑتے تو انہیں طاقت استعمال کرنی پڑتی اور وہ Wrongful Custody کے مُجرم ہوتے اور خود سزا پاتے۔ یہ میری روحانی طاقت ہی تھی کہ نہ اس کا باپ بولا اور نہ بھائی۔ مگر ان لوگوں کی دیانتداری یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے اسے قابو کیا۔ اگر وہ اتنے ہی دلیر ہیں تو کیوں اب اس شخص کو جا کر نہیں پکڑ لیتے جن کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ سَو دیشی[۱۳] چور تھے اور انہوں نے انکی کھڑکی توڑی تھی۔

پس عبدالمنان کو میں نے اپنے حکم سے پکڑوایا اور میرے حکم کی وجہ سے اس نے اپنے قانونی حق کو ترک کیا۔ وہ بے شک چور تھا مگر اس نے یہ شرافت دکھائی کہ جس شخص کی طرف مَیں منسوب ہوں اس کا حکم مجھے ردّ نہیں کرنا چاہئے۔ مگر ان لوگوں کی شرافت یہ ہے کہ کہانی کو میرے خلاف زوردار بنانے کیلئے جو کام میں نے کیا اسے اپنی طرف منسوب کرتے جاتے ہیں۔ خیر اس کے بعد یہ ہوا کہ وہ لڑکا تو محفوظ کر کے بٹھا دیا گیا اور مَیں نے اطلاع ملنے پر شیخ محمود احمد صاحب ولد مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو بیان وغیرہ لینے کیلئے مقرر کیا۔

شیخ محمود احمد صاحب کی شہادت

(حضور نے شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کو بُلا کر ان کا حلفیہ بیان لیا) انہوں نے بیان کیا کہ حضور نے مجھے فرمایا تھا کہ ناظر صاحب امور عامہ یہاں نہیں ہیں اس لئے تم بحیثیت محتسب جاؤ اور اسے پکڑ کر لے آؤ اور اس کا بیان لو۔ چنانچہ میں گیا اور اس کے والد کو بُلا کر حضور کے ارشاد سے مطلع کیا اور انہوں نے فوراً عبدالمنان کو لا کر میرے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ میں اسے لے آیا اور اس کا بیان قلمبند کیا۔ اس بیان میں اس نے تسلیم کر لیا کہ میں نے چوری کی تھی اور اس کی

تفصیلات بھی بتائیں اور جہاں تک چوری کا تعلق ہے اس نے سب ذمہ واری اپنے اوپر لی۔ ہاں مال کے فروخت کرنے کے متعلق اس نے باہر کے ایک غیر احمدی کی امداد لینے کا ذکر کیا۔ شیخ صاحب نے اِس بیان کا مجھ سے آ کر ذکر کیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ اس کے رشتہ دار ہرجانہ ادا کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اُسی دن یا دوسرے دن مجھے غالباً امور عامہ کی طرف سے اطلاع ملی یا مجھے براہِ راست کہا گیا یا دونوں طرح واقعہ ہوا مجھے اچھی طرح یاد نہیں مگر مجھے کہا گیا کہ مصری صاحب چاہتے ہیں کہ مال اگر مل جائے تو وہ سزا دلانے پر زور نہ دیں گے۔ اس پر میں نے شیخ محمود احمد صاحب سے کہا کہ اگر تو وہ لوگ پورا نقصان پورا کرنے کو تیار ہوں تو میں مصری صاحب سے سفارش کر دوں گا لیکن اگر یونہی تھوڑا سا نقصان پورا کرنے کو کہیں تو میں اس کیلئے تیار نہیں ہوں۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ ان لوگوں کی مالی حالت ایسی نہیں کہ وہ اڑھائی ہزار روپیہ یکمشت یا قریب عرصہ میں ادا کریں اور میں ڈرتا تھا کہ بعد میں غلط فہمیاں پیدا ہو کر مزید بدگمانیوں اور فِتنوں کا دروازہ نہ کُھل جائے۔ چنانچہ میرا شبہ درست نکلا اور معلوم ہوا کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو تھوڑا سا مال ملا ہے اس کے علاوہ دو تین سَو روپیہ وہ دے سکیں گے۔ اس پر میں نے مناسب نہ سمجھا کہ میں دخل دوں۔ اگر وہ پورا نقصان برداشت کرنے کو تیار ہوتے تو مَیں امور عامہ سے سفارش کرتا کہ وہ پولیس افسران سے مل کر چونکہ ملزم چھوٹا لڑکا تھا، مقدمہ واپس لینے کی سفارش کر دیں مگر بوجہ رشتہ داروں کے پورا نقصان ادا کرنے سے معذوری ظاہر کرنے کے وہ بات رہ گئی۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے عبدالمنان نے اپنے بیان میں ایک اور شخص کا نام بھی لیا تھا کہ چوری کا مال اُس کے ذریعہ سے فروخت ہوا اور یہ کہ اُس نے اکثر حصہ اپنے پاس رکھ لیا۔ اِس کی بناء پر میں نے ناظر صاحب امور عامہ کو ہدایت کی کہ وہ کسی معتبر آدمی کو ڈاکٹر احسان علی صاحب کے ساتھ جالندھر روانہ کریں اور وہ جا کر یہ کوشش کریں کہ اس شخص سے بھی مال مل جائے۔ چنانچہ ناظر صاحب نے میرے حکم کے ماتحت جالندھر آدمی بھیجا دوسرے روز میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا کوئی آدمی آپ نے بھیجا ہے تو انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر احسان علی صاحب اور خلیفہ صلاح الدین صاحب کو بھیج دیا ہے۔ اس پر میں نے اظہارِ ناراضگی کیا اور کہا کہ صلاح الدین تو ان کا رشتہ دار ہے۔ اس سے دوسرے فریق کو خواہ مخواہ شبہ ہوگا آپ کو ایسا آدمی بھیجنا چاہئے تھا جو بالکل بے تعلق ہوتا۔

خان صاحب فرزند علی صاحب کی حلفیہ شہادت

(حضور نے خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب کو جو اُس وقت ناظر امور عامہ تھے بُلا کر اس واقعہ کے متعلق حلفیہ بیان لیا۔ اور خان صاحب نے قسم اُٹھا کر بیان کیا کہ یہ بات حرف بحرف درست ہے) خلیفہ صلاح الدین میری بڑی بیوی کے بھائی ہیں اور ڈاکٹر احسان علی کے بہنوئی ہیں۔ میری احتیاط کو دیکھو کہ میں نے ان کے ساتھ بھیجنے پر بھی محکمہ پر اعتراض کیا کہ دوسرا آدمی تو دوسرے فریق کے حقوق کی نگرانی کیلئے چاہئے تھا۔ آپ نے ایک ہی فریق کے دو آدمی کیوں بھجوائے۔ لیکن یہ معترضین کہہ رہے ہیں کہ میں ڈاکٹر احسان علی صاحب کی ناواجب طرف داری کر رہا تھا اور امور عامہ کو آڑ بنا کر ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

ڈاکٹر احسان علی صاحب کو سخت تنبیہہ

جب معاملہ یہاں تک پہنچا تو مجھے اطلاع ملی کہ عبدالمنان بعض ایسی باتیں کرتا ہے جس سے اُس کی غرض ڈاکٹر فضل الدین صاحب کے گھر کے بعض افراد کو بعض اخلاقی الزامات کے نیچے لانا ہے۔ اِس اطلاع کے ساتھ ہی مجھے ڈاکٹر احسان علی صاحب کی چِٹھی ملی کہ بعض ایسے امور ظاہر ہوئے ہیں جو صورتِ حالات کو بالکل بدل دیتے ہیں' معاملہ بہت خطرناک ہو گیا ہے اور سخت بدنامی کا موجب ہوگا، مجھے ملنے کا موقع دیا جائے۔ میں نے ان کو ملنے کا موقع دیا اور ان سے وہ کہانی سنی جو انہوں نے کہا کہ عبدالمنان بیان کرتا ہے اور جس سے اس کی غرض ڈاکٹر فضل دین صاحب کے گھر کے بعض افراد پر اخلاقی الزام لگانا تھی۔ میں نے اس کہانی کو سن کر صاف کہہ دیا کہ میں ان باتوں سے ڈرنے والا نہیں' ملزم کا پہلا بیان ہمارے پاس موجود ہے' جس میں وہ مال نکالنے کا اقرار کرتا ہے' اب کوئی تشریح اس کی ہم سننے کو تیار نہیں، خصوصاً جب کہ وہ خلافِ شریعت ہو اور اس کیلئے شریعت نے ثبوت کا ایک خاص طریق مقرر کیا ہو جس کی پابندی لازمی ہو۔

آپ لوگ کہتے تھے کہ وہ پاگل ہے، اب آپ کہتے ہیں کہ اس کا پہلا بیان جھوٹا تھا۔ جب وہ پاگل ہے، تو اس کے متعلق جھوٹ سچ کا سوال ہی کیونکر پیدا ہوا۔ کیا اب اس کا جنون دور ہو گیا ہے؟ اور اگر اس کا پہلا بیان جھوٹا تھا تو ہم کیونکر تسلیم کریں کہ اس کا دوسرا بیان سچا ہے۔ جب اس نے پہلے بیان میں اپنے جُرم کو تسلیم کر لیا تھا تو اگر وہ اب انکار کرتا اور کوئی دوسرا بیان

دیتا ہے تو میں تو یہی سمجھوں گا کہ دوسرے لوگوں نے اسے یہ پٹی پڑھائی ہے اور اگر اس نے کوئی ایسی بات کی تو میں بہت سختی سے نوٹس لوں گا۔ پھر میں نے کہا کہ یہ چیزیں اس کے پاس سے نکلی ہیں، اس لئے ہمارے نزدیک وہی ذمہ دار ہے۔

یہ باتیں میں نے اِس قدر سختی سے کیں کہ احسان علی کے ہونٹ خشک اور چہرہ زرد ہو گیا۔ اور ڈر کے مارے اُس کے منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ میں نے اسے یہ بھی کہا کہ میں ان بدنامی کی باتوں سے نہیں ڈرتا، میں ان باتوں کی پرواہ نہیں کروں گا اور پوری طرح صداقت کو ظاہر کروا کے چھوڑوں گا اور یہ کہہ کر انہیں رخصت کر دیا۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ملزم اب تک بیان بدل رہا ہے۔ اس پر میں نے علیحدہ طور پر بھی اور ایک دعوتِ ولیمہ کے موقع پر بھی جو غالباً میاں محمد الدین صاحب واصل باقی نویس کھاریاں کے کسی لڑکے کی شادی کے موقع پر ہوئی تھی، ناظر صاحب امور عامہ سے مجلس میں کہا کہ آپ عبدالمنان کے والد اور بھائی کو بُلا کر کہہ دیں کہ اگر وہ سچا بیان نہ دے گا تو بھی وہ بچ نہیں سکتا پھر اِس کا معاملہ خدا تعالیٰ اور سلسلہ سے ہوگا۔ چنانچہ ناظر صاحب نے ڈاکٹر فیض علی صاحب کو بُلا کر سمجھایا جس پر ڈاکٹر صاحب مولوی ظفر محمد صاحب کے ساتھ تھانے گئے اور وہاں جا کر بہ روایت مولوی ظفر محمد صاحب اپنے بیٹے کو سمجھایا کہ دیکھو! خدا تعالیٰ کی خوشنودی کو مدنظر رکھو اور جو سچ ہو وہ کہو، تا کہ مزید عذاب میں مبتلا نہ ہو اور ایمان ضائع نہ ہو۔

پولیس کو اطلاع

اِس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ بعض لوگ جا کر پولیس والوں سے کہتے ہیں کہ ملزم میرا رشتہ دار ہے اور کہ اِس کی گرفتاری میری ناراضگی کا موجب ہوگی۔ اس پر مَیں نے وہ کام کیا جو ساری عمر میں کبھی نہیں کیا۔ یعنی میں نے انچارج صاحب چوکی کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ مہربانی کر کے مجھ سے آ کر ملیں تو میں ممنون ہوں گا۔ چنانچہ وہ تشریف لے آئے اور میں نے اُن سے کہا کہ میں نے سنا ہے اور آپ کی طرف سے مجھے یہ اطلاع بھی کئی دفعہ ملی ہے کہ آپ انصاف کے معاملہ میں جماعت سے تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ اب اِس وقت یہ معاملہ درپیش ہے، ملزم کے متعلق میں نے سنا ہے کسی نے آپ سے کہا ہے کہ وہ میرا رشتہ دار ہے۔ اوّل تو اس کے ساتھ میری کوئی ایسی رشتہ داری نہیں لیکن اگر ہو بھی تو اِس مقام پر اگر میرا اپنا بیٹا بھی ہو تو میں اس کی پرواہ نہیں کروں گا، وہ ہمارے سامنے چوری کا اقرار کر چکا ہے، اب آپ لوگوں کا کام ہے کہ اس کے خلاف اس طرح کارروائی کریں کہ وہ

اپنے کئے کی سزا پائے کیونکہ اگر ایسے امور جاری رہیں تو قومی اخلاق خراب ہو جاتے ہیں۔ پس ملزم کی رعایت گویا ہم پر ظلم ہوگا۔ آخر میں مَیں نے انہیں یہ بھی کہا کہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ مقدمہ کے بعد آپ کہدیں کہ ہم نے تو کوشش کی تھی مگر پھر بھی عدالت نے ملزم کو چھوڑ دیا۔ واقعات روزِ روشن کی طرح ثابت ہیں، ملزم خود اقراری ہے اب اگر وہ چُھوٹے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ پولیس نے صحیح طور پر مقدمہ کی پیروی نہیں کی اور وہ مجھ سے یہ وعدہ کر کے کہ بالکل سچی کارروائی ہوگی، رُخصت ہوئے۔ اِس گفتگو کی صحت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ جب سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کو پولیس کی سُستی کی طرف توجہ دلائی گئی تو انچارج صاحب تھانہ نے بیان دیا کہ ہم سُستی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ خود امام جماعت احمدیہ نے اس فعل سے بریت ظاہر کرتے ہوئے ہمیں تاکید کی تھی کہ اِس چوری کو چُھپانا نہیں بلکہ نکالنا چاہئے، پس اس کے بعد ہمیں کسی دوسرے کا لحاظ کس طرح ہو سکتا تھا۔ وہ صاحب اب بھی ضلع گورداسپور میں ہیں اور گو انہیں نظامِ سلسلہ سے بعض اختلافات پیدا ہو چکے ہیں مگر مَیں امید کرتا ہوں کہ وہ اس گواہی کو نہیں چُھپائیں گے اور مجھے رپورٹ بھی ملی ہے کہ جب ان سے ایک احمدی نے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا، میں یہ سچی گواہی ہر جگہ دینے کو تیار ہوں۔

کچھ رشتہ داری کے متعلق

اس جگہ میں رشتہ داری کے متعلق بھی کچھ کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ دونوں فریق نے اِس سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ملزم میری بڑی بیوی کی سوتیلی والدہ کے بھائی کا بیٹا ہے۔ یہ تعلق ایک رنگ میں رشتہ داری ہے اور ایک رنگ میں نہیں بھی۔ ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب مرحوم فوت ہو چکے ہیں۔ وہ ایک پُرانے صحابی اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص حواریوں میں سے تھے۔ سلسلہ کی انہوں نے اِس قدر خدمت کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آخر انہیں ایک خط لکھا کہ اِس قدر مالی خدمت کے بعد اب آپ کو مزید خدمت سے آزاد کیا جاتا ہے مگر وہ استطاعت سے بڑھ کر ہمیشہ مالی خدمت کرتے رہے، صاحب الہام و کشف تھے اور سلسلہ کی خدمت کا جوش رکھتے تھے۔ میں اِن پر حرف گیری نہیں کرتا، انسان کے اندرونی حالات سے دوسرا انسان واقف نہیں ہو سکتا، میں نہیں جانتا کہ کون سی معذوریاں انہیں تھیں جن کی وجہ سے وہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنے آپ کو بَری سمجھتے تھے مگر حقیقتِ حال یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بڑی بیوی کو جو میری ساس ہیں، اپنے سے

الگ کیا ہوا تھا اور آخر تک الگ رکھا، ان کو طلاق نہ دی تھی مگر انہیں ساتھ بھی نہیں رکھتے تھے۔ میں چونکہ اندرونی حالات سے واقف نہیں، میں کسی پر بھی الزام نہیں دیتا ڈاکٹر صاحب مرحوم کو مَیں ایک نیک اور پاکباز انسان سمجھتا ہوں اور اپنی ساس میں بھی کوئی ایسا عیب مجھے نہیں معلوم جس کی وجہ سے اُن کو یہ سزا دی جاتی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ آپس میں کوئی ایسا سمجھوتا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میری ساس نے اپنے حقوق چھوڑ دیئے تھے، میں نے اپنے اطمینانِ قلب کو مدنظر رکھتے ہوئے کبھی ان باتوں میں پڑنے کی کوشش نہیں کی اور سلسلہ کی طرف سے بھی ایسا نظام نہ تھا بلکہ اب تک نہیں کہ ایسے واقعات کو سلسلہ اپنے ہاتھ میں لے کر فیصلہ کرے۔ بہر حال صورتِ حالات یہ تھی اور اگر دنیا داری کو مدنظر رکھا جائے تو مجھے اپنی ساس کے ان رشتہ داروں سے کوئی خاص رشتہ داری کا تعلق نہیں ہونا چاہئے تھا، یہ تعلق نہ حسبی تعلق ہے اور نہ نسبی، ہاں چونکہ میری بیوی کی سوتیلی والدہ پختہ احمدی ہیں اور احمدیت کا خاص جوش رکھتی ہیں اس لئے مجھے ان سے اپنی حقیقی ساس کی نسبت زیادہ تعلق رہا ہے اور میں ان سے حقیقی ساس کی نسبت بے تکلّف ہوں، آگے اپنے سالوں سالیوں میں مَیں نے کبھی سگے اور سوتیلے کا فرق نہیں کیا سوائے اس کے کہ عزیزم کیپٹن تقی الدین جو میرے دو حقیقی سالوں میں سے ایک ہیں مجھے خاص طور پر پیارے ہیں کیونکہ میں نے ان کو بچپن سے ان کے والد سے لے کر اپنے گھر میں رکھا تھا۔ مجھے کبھی تقی الدین اور اپنے بچوں میں فرق محسوس نہیں ہوا۔ میرے لئے آج تک ناصر احمد اور تقی الدین ایک سے ہیں یہ ہیں ہمارے خاندانی حالات۔ ان کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ دُنیاوی لحاظ سے مجھے مُجرم کا کوئی لحاظ ہو سکتا تھا۔ آخر تعلقات کو دو ہی نقطہ نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یا دنیاوی لحاظ سے یا دینی لحاظ سے۔ اگر دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ رشتہ لڑائی کا ہوتا ہے محبت کا نہیں اور اگر دینی لحاظ کو لیا جائے تو کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ جو شخص دین کی خاطر دَنیوی جھگڑوں کو بُھلا کر اپنے سوتیلے رشتہ داروں کو سگوں کی طرح سمجھے گا، وہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کے موقع پر ان کا ساتھ دے گا۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی پروا نہیں کرتا وہ تو دنیا دار ہے۔ اور دنیا دار کب مذکورہ بالا حالات میں محبت کا سلوک رکھنا پسند کرے گا۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں میری سوتیلی ساس کا تعلق احمدیت کی وجہ سے ہے۔ وہ پختہ احمدی ہیں اور جوشیلی احمدی ہیں اس لئے کبھی میرے دل پر اس بدمزگی کا اثر جو ڈاکٹر صاحب مرحوم اور ان کی بڑی بیوی میں تھی، ان کے بارے میں نہیں پڑا۔ میں نے ان کو ہمیشہ عزت اور محبت کی نگاہ سے دیکھا

ہے جیسا کہ قابلِ احترام بڑے رشتہ دار کو دیکھنا چاہئے اور اب تک اسی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ ان کے بچوں سے بھی، ان کے والد اور والدہ کے لحاظ سے میرے تعلقات ہیں۔ بعض کی احمدیت سے ذاتی محبت کی وجہ سے زیادہ، بعض کی بے پرواہی کی وجہ سے کم۔ آگے رہے ان کے رشتہ دار اُن سے تعلقات صرف ان تعلقات کی بناء پر ہیں جو وہ خود رکھتے ہیں۔ میری سوتیلی ساس کے دو بھائی میرے بچپن کے دوست ہیں، ڈاکٹر اقبال علی صاحب اور شیخ منظور علی صاحب۔ یہ میرے ساتھ سکول میں پڑھتے رہے ہیں، دونوں ہی میرے دوست ہیں لیکن اقبال میں اور مجھ میں بچپن سے ہی محبت چلی آتی ہے۔ اب اپنے کاموں کی وجہ سے ہم میں خط وکتابت نہیں ہے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ، سالوں کے بعد کبھی، مگر احمدیت کے تعلق کے علاوہ بھی ذاتی دوستی کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر میں اپنے دل کو معیار قرار دوں تو ہم دونوں کے دلوں میں اب بھی گہری برادرانہ محبت ہے مگر اس دوستی کا موجب احمدیت ہی تھی اور احمدیت ہی ہے، رشتہ داری اس کا موجب نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ غرض اس تعلق کو رشتہ داری کا تعلق کہنا ایک لغو بات ہے۔ میری ان میں سے جس سے محبت ہے دین کی وجہ سے ہے اور اگر وہ تعلق نہ رہے تو مجھے ان سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ وہ ایسے ہی اجنبی ہیں جیسے کہ اَور اجنبی۔ پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ان کے رشتہ داروں کے جرائم پر مَیں ان کی خاطر پردہ ڈالوں۔ چند سال کی بات ہے میرے دو سالوں خلیفہ صلاح الدین اور خلیفہ ناصر الدین سے کوئی جُرم ہوا تھا، کسی سلسلہ کے کارکن کی ہتک تھی۔ یا مار پیٹ تھی میں نے اس بارہ میں ان کی رشتہ داری کا ذرہ بھی لحاظ نہیں کیا تھا اور نہ اب کرنے کو تیار ہوں۔

خلاصہ یہ کہ ملزم کے بارہ میں رشتہ داری کا سوال مخالف وموافق دونوں فریق نے ذاتی فوائد کیلئے ناجائز طور پر اُٹھایا۔ ایک نے ملزم کیلئے رعایت کی تلاش میں اور دوسرے نے اپنے آپ کو مظلوم ثابت کرنے کیلئے۔ اس بارہ میں دونوں ظالم تھے مگر دوسرے کا ظلم زیادہ تھا کیونکہ پہلا مُجرم کو سزا سے بچانے کیلئے اس کی آڑ لیتا تھا اور دوسرا ایک ناکردہ گناہ کو اور اس ناکردہ گناہ کو جس کے ہاتھ پر اُس نے بیعت کی ہوئی تھی، مُجرم ثابت کرنے کیلئے اور حقیقت سے دونوں دُور تھے۔ میں انصاف اور صرف انصاف کو قائم کر رہا تھا۔

مقدمہ کو کامیاب بنانے کی کوشش

مَیں بات سے دُور نکل گیا میں نے بتایا تھا کہ میں نے انچارج صاحب تھانہ کو بُلا کر یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ میرا رشتہ دار کہہ کر اگر کوئی ملزم کی تائید ان سے کرانا چاہے تو ہرگز

اُس کی بات نہ مانیں اور دلیری سے مُجرم کو سزا دلانے کی کوشش کریں۔ اِس کے بعد میرے پاس شکایت ہوئی کہ اب تک پولیس کا رویہ درست نہیں اور وہ رعایت کر رہی ہے۔ اِس پر مَیں نے خان صاحب فرزند علی صاحب کو جو اُس وقت ناظر امور عامہ تھے بُلا کر کہا کہ وہ شیخ صاحب کو ساتھ لے جا کر سپرنٹنڈنٹ پولیس سے ملیں اور اِس پر زور ڈالیں کہ کوئی صورت چوری نکلوانے کی کی جائے خان صاحب شیخ صاحب کو ساتھ لے کر وہاں گئے اور سپرنٹنڈنٹ صاحب سے کہا کہ ایک طرف تو یہ شکایت کی جاتی ہے کہ احمدی جرائم کا خود فیصلہ کرتے ہیں دوسری طرف یہ حال ہے کہ اِس قدر دیر سے چوری کا پتہ لگ چکا ہے مگر پولیس کچھ نہیں کرتی اور پھر خواہش ظاہر کی کہ وہ شیخ صاحب کو بھی مل لیں۔ انہوں نے کہا کہ آج فُرصت نہیں، پھر وہ منگل کے دن یا اس کے بعد آ کر ملیں اور وعدہ کیا کہ میں کسی اعلیٰ افسر کو تحقیق کیلئے مقرر کر دوں گا۔ مجھے اِس کا اتنا خیال تھا کہ میں نے بعد میں خان صاحب سے دریافت بھی کیا کہ کیا شیخ صاحب جا کر ملے یا نہیں؟ جب انہوں نے کہا کہ نہیں تو میں نے شیخ صاحب سے جو مجھے باہر جب مَیں سیر کو جا رہا تھا، مل گئے تھے کہا کہ آپ کیوں نہیں ملے اور جب انہوں نے کہا کہ اس نے منگل نہیں کہا تھا بلکہ منگل یا بعد کا کوئی دن کہا تھا تو پھر میں نے تاکید کی کہ بہت جلد ملنا مفید ہوگا۔ پھر جب انہوں نے یہ کہا کہ مجھے یہ خیال آتا ہے کہ وہ لوگ بعض اخلاقی الزامات کو درمیان میں لانا چاہتے ہیں، تو میں نے ان سے کہا کہ مومن کو ان باتوں سے نہیں ڈرنا چاہیئے، الزام لگانے کے معنی، الزام کے ثابت ہو جانے کے نہیں ہوتے، آپ اس کی پروانہ کریں اور دلیری سے پیروی کریں۔ اگر وہ جھوٹ بولتے ہیں تو خود ہی ذلیل ہوں گے، آپ کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ گئے اور پولیس کا ایک بڑا افسر تحقیقات کیلئے مقرر ہو گیا۔ غرض اس کیس میں جو کامیابی ہوئی امور عامہ کے تعاون سے ہوئی اور امور عامہ نے میرے کہنے پر عمل کیا۔ پھر دورانِ مقدمہ مجھے معلوم ہوا کہ جالندھر والے چوری کے سُراغ کو مٹا رہے ہیں۔ اِس پر پھر مَیں نے ان کو مشورہ دیا کہ ہماری جماعت کے فلاں فلاں افسر اس ضلع میں اثر رکھتے ہیں ان کو لکھا جائے کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس جالندھر سے کہیں کہ وہ خیال رکھیں کہ ان کے ماتحت افسر دوسروں کا لحاظ کر کے مقدمہ کو خراب نہ کریں۔ مجھے اب اچھی طرح یاد نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ بعض کے نام شاید میں نے بھی اس بارہ میں خط لکھوائے مگر یہ یقینی ہے کہ میں نے کہا کہ انہیں میری طرف سے خط لکھے جائیں۔

مستورات کو بدنام کرنے کے خلاف کارروائی

اسی دوران میں مجھے مصری صاحب نے کہا کہ چونکہ یہ لوگ بعض باتیں مستورات کو بدنام کرنے والی کہتے ہیں، ان کے خلاف کوئی کارروائی کرنی چاہئے۔ میں نے ان سے کہا کہ جو روایات اِس وقت تک مجھ تک پہنچی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود الزام نہیں لگاتے بلکہ ملزم کی طرف سے کہتے ہیں کہ وہ یہ ڈیفنس پیش کرتا ہے اس لئے اس امر کی تحقیق کا وقت نہیں ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ ہم ڈیفنس میں روک ڈالتے ہیں۔ میں نے مزید احتیاط کے طور پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ سے مشورہ لیا کہ آیا ملزم کی طرف سے ایسی باتیں ہوں تو ہمارا مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے کوئی قدم اُٹھانا پولیس کو یہ کہنے کا موقع تو نہیں دے گا کہ پولیس کی تفتیش کو خراب کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اِس وقت جو حُکّام کا رویہ ہے اور عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ میں جماعت پر جس طرح اپنی عدالتیں جاری کرنیکا الزم ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے اِس کے لحاظ سے میں یہی کہوں گا کہ اِس وقت کوئی قدم اُٹھانا بہت مُضِر ہوگا اسلئے احتیاط ہی کرنی چاہئے۔

جناب شیخ بشیر احمد صاحب کی شہادت

(اِس موقع پر حضور نے شیخ صاحب موصوف کو کھڑا کر کے حلفی بیان لیا اور انہوں نے حلفیہ شہادت دی کہ یہ درست ہے میں نے یہی جواب دیا تھا) اس کے بعد مصری صاحب کا بڑا لڑکا جس کی ساس کے ہاں چوری ہوئی تھی ایک روز میرے پاس آیا اور دروازہ پر دستک دی۔ میں دروازہ پر اس سے ملنے کے لئے گیا تو اس نے کہا کہ ڈاکٹر احسان علی کا بھائی عبدالرحمٰن بہت بُری بُری باتیں کہتا ہے۔ مگر آپ کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کرتے اور ان کی رعایت کرتے ہیں۔ اس بات پر اگرچہ میرا حق تھا کہ میں اسے سزا دیتا کہ اس نے میرے منہ پر یہ کہا کہ گویا میں انصاف نہیں کرتا اور رعایت کرتا ہوں مگر اس خیال سے کہ ان کے دل دُکھے ہوئے ہیں مَیں نے اس بات کو نظر انداز کر دیا۔ اور صرف اسے یہ کہا کہ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ عبدالمنان ملزم یہ باتیں کہتا ہے کہ فلاں طریق سے یہ مال نکالا گیا ہے اور ملزم کو قانوناً حق ہے کہ دورانِ مقدمہ جو بیان چاہے دے اور اگر ہم اسے روکیں تو حکومت کی طرف سے الزام آتا ہے۔ جس قدر نصیحت کا تعلق ہے ہم اسے کر چکے ہیں اور شیخ بشیر احمد صاحب کی رائے بھی یہی ہے کہ ہمیں فی الحال کوئی کارروائی نہیں کرنی چاہئے اس

لئے کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اُس نے جواب دیا کہ ضروری نہیں کہ شیخ بشیر احمد صاحب کی رائے درست ہو۔ میں نے کہا کہ میں نے تو جو قانونی مشورہ ممکن تھا کر لیا ہے اور میں پھر بھی ان سے پوچھوں گا مگر اس عرصہ میں تم اپنے والد سے پوچھ کر ملزم کے سوا جو دوسرے لوگ باتیں کرتے ہوں ان کی رپورٹ اور گواہوں کے نام مجھے بھجوادو۔ میں ان کے خلاف کارروائی کروں گا۔ اِس وقت تک مجھے جو اطلاع ملی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ملزم کے بعض رِشتہ دار لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ ملزم کا یہ بیان ہے۔ میرے پاس اب تک کوئی شکایت ایسی نہیں پہنچی کہ وہ خود اپنی طرف سے کوئی الزام لگاتے ہوں سوا گر تم کو یا تمہارے والد کو معلوم ہو تو مجھے اطلاع دو اور گواہوں کے ناموں سے بھی اطلاع دو تا کہ اِس پر کارروائی کی جائے۔ اِس پر اُس نے پھر کہا کہ آپ کے پاس ایسی رپورٹیں پہنچ چکی ہیں۔ یہ پھر اُس کا مجھ پر جُھوٹ کا الزام تھا لیکن چونکہ تکلیف میں انسان کے حواس درست نہیں رہتے اور ہمارے ملک میں بڑے آدمی بھی ایسے فقرے بے سوچ کہہ بیٹھتے ہیں اور وہ تو بچہ تھا، میں نے صبر سے کام لیا اور میں نے اس کو یہی جواب دیا کہ نہیں مجھ تک ایسی کوئی رپورٹ اب تک نہیں پہنچی۔ تم اپنے والد سے اس بارہ میں مجھے لکھوا دو تو میں تحقیق کرونگا۔ اُسکو تو میں نے رخصت کیا لیکن میرے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ ان لوگوں کو سخت صدمہ ہے اور اس صدمہ کی وجہ سے سچ اور جھوٹ اور انصاف اور ظلم میں انہیں کوئی تمیز نہیں رہی، ایسا نہ ہو یہ بچہ ہے یہ میرا پیغام اپنے والد کو نہ دے اور وہ بھی ابتلاء میں پڑیں۔ چنانچہ جب دو تین دن تک میرے پاس مصری صاحب کا کوئی پیغام نہ آیا تو میں نے دفتر میں آ کر ہدایت کی کہ شیخ صاحب کو خط لکھ دیا جائے کہ اگر کوئی ایسی بات ان تک پہنچی ہے تو اطلاع دیں تا کارروائی کی جائے۔ یہ خط دفتر کے رجسٹرات سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ اپریل ۱۹۳۶ء کو ان کے پاس پہنچا اور ان کی رسید دفتر میں موجود ہے لیکن اس خط کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

مولوی عبداللہ صاحب اعجاز کی حلفیہ شہادت

(اس موقع پر حضور نے مولوی عبداللہ صاحب اعجاز مولوی فاضل، کارکن دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کو بُلایا کہ حلفیہ شہادت دیں کہ کیا یہ درست ہے یا نہیں اس پر انہوں نے کھڑے ہو کر حلفاً بیان کیا کہ حضور کے ارشاد پر یہ چٹھی لکھی گئی تھی اور ہمارے رجسٹر میں مصری صاحب کے دستخط موجود ہیں)

اِس کے چند دن بعد حافظ بشیر احمد، مصری صاحب کا بڑا لڑکا پھر مجھ سے ملنے کے لئے آیا

اور کہا کہ آپ نے اب تک کوئی کارروائی نہیں کی۔ میں نے کہا کہ میں نے شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ سے مشورہ لیا ہے وہ عبدالمنان کے متعلق تو کہتے ہیں کہ وہ چونکہ ملزم ہے اس کے بارہ میں کوئی کارروائی اِس وقت کرنا ٹھیک نہیں۔ اور دوسرے معاملہ کے متعلق میں نے تم کو کہا تھا کہ مصری صاحب سے کہو کہ جو الزام لگاتا ہے اس کا نام اور گواہ کا نام لکھیں تا تحقیق کی جائے مگر تمہاری طرف سے اطلاع نہیں آئی۔ اِس کے بعد میں نے خود تمہارے ابّا کو لکھوایا کہ وہ ایسی اطلاع دیں تا کارروائی کی جائے مگر ان کی طرف سے بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ امرِ اول کے متعلق اس نے کہا کہ میرے ابّا نے مرزا عبدالحق صاحب سے پوچھا تھا۔ یا کہا۔ ملتانی صاحب نے مرزا عبدالحق صاحب سے پوچھا تھا، مگر انہوں نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ کارروائی ہوسکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے کہا کہ اس معاملہ میں شیخ بشیر احمد صاحب کو میں زیادہ تجربہ کار سمجھتا ہوں مگر چونکہ ایک دوسرے وکیل کی رائے خلاف ہے اور وہ بھی تجربہ کار ہے مَیں دوبارہ اس بارہ میں مشورہ لوں گا۔ دوسرے امر کے متعلق اُس نے یہ کہا کہ میں نے اپنے ابّا کو جا کر بات کہدی تھی اور پھر آپ کا خط بھی مل گیا تھا مگر میں نے اپنے ابّا کو جواب دینے سے منع کر دیا تھا کہ یہ ان کا اپنا کام ہے کہ تحقیق کریں ہمارا کام نہیں، اس لئے آپ جواب نہ دیں۔ پھر کہا کہ یہ ایسی بات نہ تھی کہ اسے معاف کیا جاتا، آپکو خود اِسکی تحقیق کرنی چاہئے تھی۔ اور آپ ایسا کیا کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تم کو کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس ایسی کوئی رپورٹ اب تک نہیں آئی اور جب تک مجھے اُس شخص کا نام معلوم نہ ہو جو ملزم ہے، الزام کی حقیقت معلوم نہ ہو اور گواہ نہ معلوم ہو میں کیا کارروائی کرسکتا ہوں۔ اور اب تو یہ سوال ہے کہ تم خود کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتے اور دیدہ دانستہ میرے خط کا جواب نہیں دے سکتے پھر مَیں کیا کرسکتا ہوں۔

نظام سلسلہ کی ہتک

اس کے بعد حافظ بشیر احمد چلا گیا اور کچھ دنوں کے بعد مولوی ظفر محمد صاحب مجھے ملے اور کہا کہ مصری صاحب کو شکایت ہے کہ ان لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ میں نے انہیں سب قصہ سنایا اور انہیں کہا کہ مصری صاحب کو جا کر سنا دینا اور کہہ دینا کہ جب آپ میرے خط کا جواب تک نہیں دیتے اور جب آپ الزام اور گواہ پیش نہیں کرتے تو مَیں نہ تحقیق کرسکتا ہوں اور نہ کرنے کو تیار ہوں۔ آپ اپنا دعویٰ پیش کریں تو تحقیق کرسکتا ہوں۔ اس کے جواب میں مولوی ظفر محمد صاحب ملے اور کہا کہ مصری صاحب مانتے ہیں کہ انہوں نے خط کا جواب نہیں دیا لیکن وہ کہتے ہیں کہ

ہمیں کسی مطالبہ کی ضرورت نہیں خلیفہ خود چاہے تو تحقیق کر لے۔

مولوی ظفر محمد صاحب کی حلفیہ شہادت

(اس موقع پر مولوی ظفر محمد صاحب کا حلفی بیان لیا گیا۔ اور انہوں نے حلفیہ اس واقعہ کی تصدیق کی) میں نے کہا کہ پہلے شیخ صاحب کے لڑکے کے ذریعہ پھر دفتر کی چٹھی کے ذریعہ سے میں ان سے کہہ چکا ہوں کہ اگر ملزم کا نام بتائیں اور الزام بتائیں تو مَیں تحقیق کر سکتا ہوں لیکن انہوں نے نظامِ سلسلہ کی ہتک کی اور جواب تک دینا پسند نہ کیا اور کہا کہ ہم مقدمہ دائر نہ کریں گے سلسلہ بطور خود تحقیق کرے حالانکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ اس وقت تک ہمارے پاس کوئی ایسی رپورٹ نہیں پہنچی جس پر جائز طور پر باز پُرس کی جا سکے اور ان سے امداد چاہی گئی تھی کہ ایسی رپورٹ کی خبر دیں تو کارروائی شروع کر دی جائے گی۔ پھر میں نے مولوی ظفر محمد صاحب سے کہا کہ ایک رنگ میں تو آپ کے ذریعہ بھی ان کو موقع دے دیا گیا مگر اس سے بھی انہوں نے فائدہ نہ اُٹھایا اور سلسلہ کے پاس مقدمہ پیش کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی اس لئے اب میں کسی صورت میں سلسلہ کی طرف سے تحقیق نہیں کرونگا۔ بہر حال الزام انفرادی جُرم کا ہے اور مدعی کا فرض ہے کہ وہ خود الزام لگائے اور اس کا ثبوت مہیا کرے۔

تحقیقات کیوں نہ کی گئی

غرض اِس وقت مَیں نے اپنے ارادہ کو کہ ان کے متکبرانہ رویہ کی وجہ سے اُس وقت تک ان کے بارہ میں سلسلہ ہاتھ نہ ڈالے گا جب تک یہ خود مدعی نہ بنیں، اور بھی پختہ کر لیا۔ اور چونکہ اس سے پہلے میں نے ناظر امور عامہ کو ہدایت دے رکھی تھی کہ مقدمہ کے ختم ہوتے ہی ملزم کے ان رشتہ داروں کے خلاف جنہوں نے اِس کی ناواجب مدد کی ہو کارروائی کی جائے۔ اس کے بعد مَیں نے ناظر امور عامہ سے کہہ دیا کہ اب وہ میری ہدایت منسوخ سمجھی جائے اور جب تک شکایت نہ ہو کوئی کارروائی نہ کی جائے۔

مولوی فرزند علی صاحب کی حلفیہ شہادت

(خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب نے حلفاً بیان کیا کہ یہ درست ہے۔ پہلے حضور نے ایسا حکم دیا ہوا تھا مگر بعد میں ممانعت فرما دی) لیکن اس کا ذمہ دار کون ہے؟ یقیناً یہ لوگ خود ذمہ دار ہیں، بیٹا تو مجھے کہتا ہے کہ آپ رعایت کرتے ہیں

اور باپ ہے کہ چِٹھی کا جواب تک نہیں دیتا بلکہ مجھے یہاں تک کہا گیا کہ آپ غلط کہتے ہیں کہ شکایت نہیں کی گئی۔ بے شک سلسلہ ایسے معاملات میں دخل دیا کرتا ہے مگر اُس کے لئے جو نظامِ سلسلہ کا احترام کرتا ہو اور اُس وقت جب الزام کی نوعیت معلوم ہو مگر یہاں تو دونوں باتیں نہ تھیں۔بعض الزام تک معلوم نہ تھے اور پھر سلسلہ کی کُھلی کُھلی ہتک کی جارہی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ اگر مَیں اس وقت رحم کر کے سلسلہ کو بطور خود کارروائی کا حکم دے دیتا تو ان لوگوں نے ان گستاخیوں کے بعد یہ کہنا تھا کہ دیکھا ہم نے انہیں کس طرح دبالیا۔

ایک اور واقعہ

اِسی ضمن میں اہلیہ ڈاکٹر فضل الدین صاحب جن کے گھر چوری ہوئی تھی اُن کی ہمشیرہ نے میرے گھر کے لوگوں کو ایک واقعہ یاد دلایا ہے۔وہ کہتی ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنی ہمشیرہ سے ملنے گئی تو انہوں نے شکایت کی کہ چوری ہمارے گھر ہوئی اور ہمدردی چوروں کی کی جاتی ہے۔(اس سے بھی ان لوگوں کے پراپیگنڈا کا علم ہوتا ہے۔) وہ کہتی ہیں کہ اتفاقاً مَیں آپ کے گھر اس سے پہلے آئی تھی اور میں نے سنا کہ ڈاکٹر احسان علی کی والدہ حضرت صاحب سے شکایت کررہی تھیں کہ عبدالمنان پر اس اس طرح سختی ہو رہی ہے۔تو حضرت صاحب نے بڑے جوش سے اُن کو جواب دیا کہ کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں چوروں اور ڈاکوں کی مدد کروں؟ میں چوروں اور ڈاکوں کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔تو جب میری ہمشیرہ نے ایسا کہا تو مَیں نے اس سے کہا کہ بہن یہ الزام غلط ہے، اتفاق کی بات ہے کہ میں اس واقعہ کے موقع پر پھر ان کے گھر جا پہنچی اور میں نے اپنے کانوں سے یہ باتیں سنیں۔ وہ تمہاری اس طرح ہمدردی کریں اور تم اِس طرح شکوہ کرو یہ ٹھیک نہیں۔اہلیہ ڈاکٹر فضل الدین صاحب کی سگی اور بڑی ہمشیرہ کی یہ روایت ہے جو چوہدری حاکم علی صاحب سفید پوش کی اہلیہ ہیں۔ انہی کا یہ بیان بھی ہے کہ چوری کے سلسلہ میں کوئی بات ان کے خاوند چوہدری حاکم علی صاحب کو معلوم ہوئی تو وہ اپنی سالی کے پاس گئے اور کہا کہ مجھے ڈاکٹر احسان علی اس اس طرح کہتا ہے، اگر ایسا ہو جاتا تو اچھا تھا۔انہوں نے جواب دیا کہ اس بارہ میں مجھے تو کوئی علم نہیں دیا گیا۔اس کے بعد مصری صاحب ان سے ملے اور ناراض ہوئے کہ آپ اپنی سالی کے پاس گئے کیوں تھے؟ آپ نے ہم سے بات کرنی تھی۔انہوں نے جواب دیا کہ میری رشتہ داری انہی سے تھی اِس لئے میں ان کے پاس گیا۔اگر اس روایت میں کوئی غلط فہمی نہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اہلیہ ڈاکٹر فضل الدین صاحب کا کس قدر احاطہ کیا ہوا تھا اور کس طرح

انکے رشتہ داروں تک کو انہیں باخبر رکھنے سے روکتے تھے۔ غالباً اُس وقت بھی ان کے مدنظر یہ سکیم تھی کہ اس خاندان کو بدظن کر کے اپنی سکیم میں شامل کریں جواب آ کر ظاہر ہوئی ہے۔ ان لوگوں کی نظریں صرف دُنیا پر پڑ رہی تھیں اور یہ نہیں جانتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے کام روپیہ سے نہیں بلکہ اخلاص سے ہوتے ہیں جن کا ان میں فُقدان تھا اور ہے۔

ڈاکٹر احسان علی کے ہاں سے دوائیاں منگانے کی ممانعت

یہ تو وہ کارروائی تھی جو سلسلہ کا امیر ہونے کے لحاظ سے اِس بارہ میں مَیں نے کی مگر ذاتی طور پر جو کچھ میں نے کیا اس کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر احسان علی اپنے بھائی کی جو چوری کا مرتکب ہے مدد کرتے ہیں تو مَیں نے اپنی چاروں بیویوں سے کہا کہ ڈاکٹر احسان علی ایک ملزم کی مدد کرتے ہیں اس لئے آئندہ ان کے ہاں سے کوئی دوائی نہ آئے سوائے اِس کے کہ ضروری ہو اور کسی دکاندار کے ہاں سے نہ مل سکتی ہو اور اگر تم میں سے کسی نے اس کے خلاف کیا تو اُس دوائی کی قیمت میں ادا نہیں کروں گا۔ چنانچہ ہمارے گھر میں اس پر عمل ہوتا رہا اور میرے ذاتی رجسٹر کے ریکارڈ بتا سکتے ہیں کہ اَدویہ جو ہمارے گھر آئیں یا بھائی محمود احمد صاحب کے ہاں سے آئیں یا پھر لاہور سے براہِ راست منگوائی گئیں ۔ سوائے اس کے کہ دوا اور دکانداروں سے میسر نہ آئی اور اس کی فوری اور اشدّ ضرورت تھی۔ اور میں اس ہدایت کے بعد تحقیق بھی کرتا رہا کہ اس پر عمل ہوتا رہا اور بعض دفعہ میں نے اپنی بیویوں کے پاس وہ رُقعے دیکھے جن میں دوسرے دکانداروں نے لکھا ہے کہ یہ دوا ہمارے پاس نہیں ہے تب وہ ڈاکٹر احسان علی کے ہاں سے خریدی گئی۔ گویا اِن لوگوں کی تائید میں مَیں نے خود مالی نقصان بھی اُٹھایا کیونکہ لاہور سے اَدویہ کا منگوانا مہنگا پڑتا ہے اور خرچ زیادہ ہو جاتا ہے مگر یہ لوگ الزام لگاتے ہیں کہ میں نے دوسرے فریق کی رعایت کی ۔ یہ بدظنی کی انتہاء ہے اور ایسی بدظنی اور ایمان کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ لیکن یہ اس قدر بدظنی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم شدید ظلم دیکھتے ہوئے بھی ایمان پر قائم رہے آپ لوگ اِن ظلموں کو بھی دیکھ لیں جو مَیں نے ان پر کئے اور ان کے ایمانوں کا بھی اندازہ لگائیں جو اِن کے دل میں تھا۔ اگر یہ ایمان تھا تو نہ معلوم بے ایمانی کس کو کہتے ہیں۔

مرزا عبدالحق صاحب کی رائے

اب مَیں پھر حافظ بشیر احمد کی ملاقات کی طرف آتا ہوں مَیں نے ذکر کیا تھا کہ انہوں نے کہا کہ میرے والد یا کہا کہ میاں فخر الدین صاحب نے مرزا عبدالحق صاحب سے پوچھا تھا اور انہوں نے کہا ہے کہ دورانِ تفتیش میں ہی ڈاکٹر احسان علی وغیرہ کے خلاف کارروائی کی جاسکتی ہے۔ مَیں نے اس پر شیخ بشیر احمد صاحب کو دوبارہ کہا کہ آپ مرزا صاحب سے بات کر کے مجھے اطلاع دیں کہ ان کی یہ رائے کس بناء پر ہے۔ شیخ صاحب نے ان سے گفتگو کر کے مجھے یہ جواب دیا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جہاں تک مجھے یاد ہے مجھ سے ایسا ذکر تک نہیں ہوا اور اگر کوئی ذکر ہوا ہوگا تو میں نے ایسا مشورہ نہیں دیا ہوگا کیونکہ میرے نزدیک بھی موجودہ حالات میں ایسا کرنا خلافِ مصلحت ہوگا۔ میں نے شیخ صاحب سے کہا کہ آپ مرزا صاحب سے تحریری رپورٹ لے کر مجھے دیدیں ورنہ ان لوگوں کی تسلی نہ ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے مندرجہ ذیل تحریر مجھے بھجوائی۔

برادرم محترم! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ-

''آپ کا خط ملا۔ یہ درست ہے کہ آپ نے عبدالمنان کے مقدمہ کے دَوران یہ ذکر کیا تھا کہ فخر الدین صاحب ملتانی نے میری طرف یہ منسوب کیا ہے کہ مَیں نے یہ رائے دی ہے کہ اگر جماعت عبدالمنان برادر شیخ احسان علی صاحب کے خلاف مقدمہ کے دَوران شیخ احسان علی صاحب کے خلاف اس بناء پر کارروائی کرے کہ وہ اپنے بھائی کو مُجرم جانتے ہوئے اس کی صفائی کے لئے کوشش کر رہے ہیں تو جماعت کا ایسا فعل قانوناً جائز ہوگا اور ایسا کرنا مناسب ہوگا۔ اور آپ نے مجھ سے یہ دریافت کیا تھا کہ کیا واقعی مَیں نے کوئی ایسی رائے دی ہے۔ اس کے جواب میں مَیں نے یہ عرض کیا تھا کہ میں نے کوئی ایسی رائے فخر الدین صاحب یا کسی اور صاحب کو نہیں دی اور نہ ہی یہ میری رائے ہے، بلکہ میرا آپ کی رائے کے ساتھ اتفاق تھا کہ دورانِ تجویز مقدمہ جماعت کو شیخ احسان علی صاحب کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھانا چاہئے۔ کیونکہ یہ کارروائی مقدمہ پر اثر انداز ہوسکتی ہے جو مناسب نہیں۔''

خاکسار عبدالحق

۱۲-۶-۱۹۳۷ء

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ مرزا عبدالحق صاحب کی رائے بھی وہی تھی جو شیخ بشیر احمد صاحب کی تھی اور مَیں نے اس معاملہ میں جو کچھ کیا وہ سلسلہ کے بہترین وکلاء کے مشورے کے ماتحت کیا اور سلسلہ کے فائدہ کے لئے کیا نہ کہ کسی ذاتی لگاؤ کی وجہ سے ۔مگر ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ یہ اپنے ذاتی غصہ پر جماعت کے فوائد کو قربان کرنا چاہتے تھے اور جماعت کو حکومت کی نگاہ میں زیرِ الزام لا کر فتنہ میں ڈلوانا چاہتے تھے اور پھر یہ دیدہ دلیری کہ مرزا عبدالحق صاحب کی قانونی حیثیت کو غلط طور پر استعمال کر رہے تھے اور اُن کی طرف وہ بات منسوب کر رہے تھے جو اُنہوں نے نہ کہی تھی ۔غرض واقعات یہ ہیں کہ مَیں ہر قدم پر دوسرے فریق کو سرزنش کرتا چلا گیا ہوں اور اِن کی تائید کرتا چلا گیا ہوں مگر یہ لوگ کسی اندرونی بُغض سے متأثر ہو کر جس کا اظہار اَب آ کر ہؤا ہے دانستہ لوگوں کو دھوکا دینے کیلئے پروپیگنڈا کرتے رہے ہیں کہ ڈاکٹر احسان علی کی رعایت کی جارہی ہے اور یہ لوگ مظلوم ہیں ۔ پھر فخر الدین صاحب نے اپنے بیان میں لکھا ہے کہ احسان علی نے ایک تحریر امور عامہ میں لکھ دی تھی کہ حضرت میاں شریف احمد صاحب نے احسان علی کو مشورہ دیا کہ تم فِی الفور جا کر راجہ عمر دراز سب انسپکٹر بٹالہ کو قابو کر لو۔ دروغ بر گردنِ راوی۔

چند حلفیہ شہادتیں

(اس کے متعلق حضور نے حضرت میاں صاحب سے حلفی بیان طلب فرمایا۔اور انہوں نے کھڑے ہو کر حلفاً اِس بات سے انکار کیا۔ پھر حضور نے ناظر صاحب امور عامہ سے حلفی بیان لیا۔اور انہوں نے حلفیہ طور پر بیان کیا کہ احسان علی صاحب نے امور عامہ میں کوئی ایسی تحریر نہیں دی ۔اس کے بعد کلرک نظارت امور عامہ سے حلفی بیان لیا گیا۔اور انہوں نے بھی حلفی بیان دیا کہ ڈاکٹر احسان علی کی ایسی تحریر میری نظر سے ہرگز نہیں گزری ۔

اب آپ لوگ دیکھیں کہ میرے بعد یہ شخص میاں شریف احمد صاحب پر نہایت ناپاک الزام لگاتا ہے کہ انہوں نے مُجرم کی امداد کے لئے ناجائز طور پر پولیس کو قابو کرنے کا مشورہ دیا اور ایسا صریح جھوٹ بولتا ہے کہ احسان علی نے امور عامہ کو ایسی تحریر لکھ کر دی مگر کوئی کارروائی نہیں ہوئی ۔ حالانکہ میاں شریف احمد صاحب حلفیہ اس مشورہ سے انکار کرتے ہیں ،۔ ناظر امور عامہ اور ان کا کلرک اس تحریر کے موصول ہونے اور اس کے دیکھنے سے انکار کرتے ہیں ، اِس سب جھوٹ کے باوجود یہ لوگ مظلوم ہیں اور ہمارا خاندان ظالم اور ابھی اس کے اخلاص اور ایمان میں بھی کوئی فرق نہیں آتا گویا یہ ایمان ان کا مولوی ثناء اللہ صاحب والی

تعریف تقوٰی کے نیچے آتا ہے کہ کچھ کرو تقوٰی وہیں کا وہیں رہتا ہے۔

ایک اَور غلط بیانی

ایک اَور غلط بیانی اِس شخص نے یہ کی ہے کہ لکھا ہے۔''دوسرے روز احسان علی وغیرہ سارے جتن کر کے عبدالمنان کو پولیس میں دینے پر مجبور ہوئے'' حالانکہ پولیس میں اُسے مَیں نے بھجوایا تھا۔ یہ لوگ اُسے پکڑنے پر ہی قادر نہ تھے پولیس میں دینا تو الگ بات ہے کیونکہ اس کے پکڑے جانے اور خود بیان دینے تک اِس کے خلاف کوئی ثبوت نہ تھا۔ پھر ایک اور بات یہ لکھی ہے کہ ''احسان علی جیسے رُسوائے عالَم کے خلاف ڈاکٹر اسماعیل کے کسی کمیشن میں بطور ڈیفنس چند ایک واقعات پر مبنی الزامات کے لکھ دینے پر سینکڑوں روپیہ نظارت کی طرف سے اِس لئے خرچ کر دیا گیا کہ احسان علی کی بریت ثابت ہو'' حالانکہ یہ بات بھی سراسر غلط ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر اسماعیل نے جو پہلے جماعت سے خارج تھے مگر اب انہیں معافی حاصل ہو چکی ہے ان کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ حُکّام کے پاس جا کر سلسلہ کے خلاف جھوٹی رپورٹیں کرتے ہیں۔ چونکہ ہم اسے پسند نہیں کرتے کہ ہر شخص جا کر پولیس والوں کے پاس بیٹھے کیونکہ اسطرح انہیں اس کے رسوخ سے فائدہ اُٹھانے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس سے جماعت کو روکا ہوا ہے کہ صرف ضرورتاً جاؤ بغیر ضرورت کے نہ جاؤ۔ امور عامہ نے ڈاکٹر اسمٰعیل سے جواب طلب کیا اور انہوں نے الزامات کا انکار کرتے ہوئے بعض اطلاع کنندوں پر اُلٹے الزام لگائے، ان میں سے ایک ڈاکٹر احسان علی بھی تھے۔ چونکہ ہمیں یقینی ثبوت مل گیا تھا کہ ڈاکٹر اسمٰعیل سلسلہ کے خلاف غلط سلط رپورٹیں کرتے ہیں اور بعد میں انہوں نے تحریراً اس امر کا اقرار بھی کر لیا اس لئے سلسلہ کو نقصان سے بچانے کے لئے محکمہ نے فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر احسان علی صاحب کو ان پر ہتکِ عزت کا مقدمہ کرنے کی اجازت دے اور امداد کا وعدہ کرے۔ اور چونکہ یہ سلسلہ کی عزت کا سوال تھا نہ کہ احسان علی صاحب کی عزت کا سوال۔ میرے علم میں یہ بات ہے کہ ان کی امداد کی گئی بلکہ اگر ڈاکٹر اسمٰعیل بعد میں اقرار نہ کر لیتے اور معافی نہ مانگ لیتے تو غالبًا بعض دوسرے احمدی بھی ان پر اُس ہتک کے بدلہ میں مقدمہ کرتے جو ان دوسرے احمدیوں کی انہوں نے اپنے بیان میں کی تھی۔ پس اگر اس کے خلاف مقدمہ دائر کرانا ناجائز ہے تو یقیناً وہ مقدمہ بھی جائز نہیں ہو سکتا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکیم فضل دین صاحب مرحوم اور شیخ یعقوب علی صاحب سے مولوی کرم دین بھیں والے کے خلاف کرایا تھا۔ اُس وقت تو جب ان دو میں سے

ایک نے مقدمہ کرنے میں کچھ تردّد کا اظہار کیا تھا تو حضور نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ اِن دونوں مقدمات میں سلسلہ کی طرف سے وکلاء پیش ہوتے رہے تھے۔ کیونکہ مقدمات شخصی تھے مگر ضرورت قومی تھی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُسوہ ہمارے لئے شمعِ راہ ہے۔

مالی اور سفارشی امداد

ایک بات میاں فخر الدین صاحب نے یہ لکھی ہے کہ:۔

''ہمیں معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ان (ڈاکٹر احسان علی) کی مالی اور سفارشی امداد بھی حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے ذریعہ ہوئی یعنی اخراجاتِ مقدمہ کیلئے روپیہ قرض دیا گیا۔''

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی حلفیہ شہادت

(حضور کے دریافت فرمانے پر حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے حلفاً بیان کیا کہ میں نے مقدمہ کیلئے احسان علی کو کوئی روپیہ نہیں دیا۔ بعض لوگ مجھ سے قرض لے لیا کرتے ہیں، مصری صاحب بھی لیتے رہے ہیں، ڈاکٹر فضل دین صاحب اور ان کی اہلیہ نے بھی لیا ہے اور احسان علی صاحب نے بھی قرض لیا تھا لیکن مقدمہ کیلئے مَیں نے کوئی روپیہ کسی کو نہیں دیا)

اب اِس جواب کو بھی دیکھ لو اور اُن کی عبارت پر بھی غور کرو۔ یہ صاحب نہ صرف میاں بشیر احمد صاحب پر ایک جھوٹا الزام لگاتے ہیں بلکہ اس کے بین السطور میں یہ الزام بھی مجھ پر ہے کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ مالی اور سفارشی امداد بھی میاں بشیر احمد صاحب کے ذریعہ ہوئی۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ میاں بشیر احمد صاحب کو مَیں نے ذریعہ بنایا تھا اصل میں یہ کام بھی میں نے کیا تھا گویا وہ نہ صرف مُجرم کے امدادی تھے بلکہ اِس فریب میں میرے آلہ کار تھے۔ لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ۔ پھر ایک اور بات لکھی ہے کہ ''عبدالمنان کی ضمانت کیلئے حضرت میاں صاحب نے ہی دفتر سکول میں چِٹھّی بھیج کر منظور علی شاہ کو رخصت دی اور گورداسپور بھیجا۔''

مولوی محمد دین صاحب کا حلفیہ بیان

(اس کے متعلق ہیڈ ماسٹر مولوی محمد دین صاحب کا حلفی بیان ہوا کہ حضرت میاں صاحب کا رُقعہ مجھے ملا تھا جس میں صرف یہ تھا کہ سید منظور علی شاہ صاحب کو رخصت دی جائے مگر اس میں ضمانت وغیرہ کا ذکر نہ تھا۔)

سید منظور علی شاہ صاحب کا حلفیہ بیان

اس کے بعد سید منظور علی شاہ صاحب کا حلفی بیان لیا گیا۔ اور انہوں نے یہ حلفی بیان دیا کہ مجھے ڈاکٹر احسان علی کے والد صاب نے کہا تھا کہ لڑکے کی ضمانت دے دو۔ مَیں نے کہا کہ چھٹی کے سلسلہ میں پہلے ہی مجھ پر ایک محکمانہ مقدمہ چل رہا ہے اور مجھے چھٹی نہیں مل سکتی۔ اگر آپ رُخصت کا انتظام کر دیں تو میں ضمانت کیلئے جا سکتا ہوں۔ چنانچہ وہ حضرت میاں صاحب کے پاس جا کر چھُٹی لے آئے اس پر مَیں میاں صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ یہ چھٹی انہوں نے ضمانت کیلئے مجھے دلوائی ہے، کیا مجھے اجازت ہے کہ ضمانت دے دوں؟ میاں صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے مجھے یہ تو بتایا نہیں۔ یہ امور عامہ کا کام ہے آپ ناظر صاحب امور عامہ سے دریافت کر لیں اگر وہ اجازت دیں تو ضمانت دے دیں اِس پر میں نے ناظر صاحب امور عامہ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ضمانت دینے میں کوئی حرج نہیں۔

ان بیانات سے ثابت ہے کہ میاں صاحب نے جب چھُٹی دی اُن کو یہ علم تک نہ تھا کہ ضمانت کیلئے یہ چھُٹی مانگی جا رہی ہے۔ اور اِس وجہ سے ان پر یہ الزام سراسر باطل ہے اور اسی بدظنّی پر دلالت کرتا ہے جو ان لوگوں کے دلوں میں گھُن کی طرح ان کے ایمان کو کھا رہی تھی۔

نوے روپے کا معاملہ

پھر یہ لکھا ہے کہ ’’عبدالمنان کے چوری کرنے کے بعد قادیان سے روپوش ہونے پر احسان علی نے نوے روپیہ مسروقہ مال کے اس سے لے کر حضرت میاں صاحب کے پاس رکھے، یہ کہہ کر رکھے کہ یہ مسروقہ مال ہے کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے چوری شُدہ مال میں -/۹۰ روپے بھی تھے۔ اس سے قبل مَیں خود حضرت میاں صاحب کو اِس واردات کی سراغرسانی کیلئے مفصّل عرض کر چکا تھا، چاہئے تھا کہ حضرت میاں صاحب مجھے یا مصری صاحب سے کم سے کم ذکر ہی فرما دیتے کیونکہ تفتیش میں یہ بہت بڑا معاون بنتا مگر آخر دم تک جبکہ احسان علی نے ضرورتاً اپنے ڈیفنس کی خاطر اس کا بیان کرنا ضروری سمجھا، بالکل مخفی رکھا اور اشارتاً بھی ذکر نہ کیا۔‘‘

حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا حلفیہ بیان

(اسکے متعلق حضور نے حضرت میاں صاحب کو بُلایا کہ اس واقعہ کے متعلق حلفی بیان دیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ڈاکٹر احسان علی نے

مجھے جو نوے روپے دیئے تھے وہ ایک پچاس روپیہ اور چار دس دس روپیہ کے نوٹوں کی صورت میں تھے۔ جب یہ رقم ڈاکٹر احسان علی صاحب میرے پاس لائے۔ مجھے علم تھا کہ ڈاکٹر فضل دین صاحب کی چوری میں نوے روپے کے قریب رقم ہے۔ چنانچہ میں خود ڈاکٹر صاحب کے مکان پر گیا اور اُن سے نوے روپیہ کی تفصیل دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ چوری شُدہ رقم نوے روپیہ سے کچھ کم تھی اور کہ وہ دس دس اور پانچ پانچ کے نوٹ تھے۔ اِس اختلاف کی بناء پر میں نے خیال کیا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی چوری کا روپیہ نہیں۔)

میاں صاحب کا بیان آپ سن چکے ہیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ان کو چاہئے تھا یہ روپیہ اپنے پاس نہ رکھتے بلکہ ناظر صاحب امور عامہ کے پاس جمع کرا دیتے۔ میری طرف سے ایسے امور کیلئے وہ نہیں بلکہ ناظر صاحب امور عامہ مقرر ہیں۔ ڈاکٹر احسان علی صاحب نے بھی جب اپنی بریت میں میاں صاحب کے پاس روپیہ کا رکھ دینا بیان کیا تھا تو میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ میں اس دلیل کو نہیں مانتا۔ ہاں اگر ناظر صاحب امور عامہ کے پاس یہ رقم رکھی جاتی تو البتہ ایک دلیل تھی۔ ڈاکٹر احسان علی صاحب کا یہ طریق شُبہ ڈالنے والا ہے اور میاں صاحب نے بھی غلطی کی اور غلط اجتہاد سے کام لیا اور اس طرح دوسرے فریق کو بدظنی کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ نظام میں ان کی حیثیت جب ان کو یہ روپیہ رکھنے کیلئے مجاز قرار نہ دیتی تھی تو ان کو نہیں رکھنا چاہئے تھا اور ناظر صاحب امور عامہ کے پاس ہی جو میری طرف سے مقرر تھے، بھیج دینا چاہئے تھا۔ محض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا ہونے سے ان کو نظام میں کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس معاملہ میں اگر ان پر بدظنی کی گئی ہے تو گو وہ غلط ہو مگر اِس کی ذمہ واری ایک حد تک اِن پر بھی ہے۔ یہ بات مَیں نے اس لئے وضاحت سے کہہ دی ہے تا کہ آئندہ وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اِس بات کا خاص خیال رکھیں۔

پٹرول کا ٹھیکہ

پھر ایک اور شکایت یہ ہے کہ ڈاکٹر احسان علی کو الیکشن کے ایام میں پٹرول کا ٹھیکہ سستے داموں دے دیا گیا۔ بعض احمدی مثلاً میاں محمد اسحٰق سیالکوٹی سَستے داموں پر ٹھیکہ لیتے تھے انہیں نہیں دیا گیا۔ اسی طرح بٹالہ سے سستے داموں پٹرول ملتا تھا، وہاں سے نہیں لیا گیا۔ اور پھر وہ لکھتے ہیں کہ پٹرول کے سودا کرنے کے ذمہ وار نظارت کی طرف سے بظاہر حالات نیّر صاحب تھے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ دراصل مَیں نے ٹھیکہ دیا تھا اور نیّر صاحب کو بطور آڑ اور پردہ کے استعمال کیا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ الیکشن کے

کا غذات محفوظ نہیں رہے ورنہ ان سے ثابت کیا جا سکتا تھا کہ مَیں نے زور سے ڈاکٹر احسان علی صاحب کے ٹھیکہ میں روک ڈالی تھی مگر اَب چونکہ صرف یادداشتوں پر بناء ہے میں نیّر صاحب کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو ذیل میں درج ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر بیان کرتا ہوں کہ:۔

۱۔ ڈاکٹر احسان علی صاحب کو پٹرول کا ٹھیکہ دینے میں (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کی طرف سے قطعاً اشارتاً یا کِنایتاً کوئی ہدایت نہ تھی۔

۲۔ بلکہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے غالباً حضرت کے ایماء سے احسان علی صاحب کو ٹھیکہ دینے سے روکا تھا اور میرے اصرار پر میری ذمہ واری پر اجازت دی تھی۔

۳۔ چونکہ احسان علی قادیان کا لائسنسدار صاحب جائیداد احمدی تھا، وقت کم تھا، پٹرول کے انتظام کے فیل ہو جانے کا خطرہ تھا اس لئے کُلّیۃً اپنی ذمہ داری پر ٹھیکہ کا معاہدہ کیا تھا۔

۴۔ قادیان میں پٹرول کا نرخ (ایک روپیہ تیرہ آنہ) گیلن تھا۔ مگر معاہدہ میں (ایک روپیہ بارہ آنہ) پر طے کیا گیا۔ اور بٹالہ میں کمپنیوں کے مساوی نرخ پر پٹرول لینا طے کیا گیا۔

۵۔ دوسرے انتظام کی کوشش کی گئی مگر کمپنی نے پانچ سَو روپیہ پیشگی اور ہر سَو روپیہ کے بعد ادائیگی کا مطالبہ کیا اور وقت پر دھوکا دینے کا خطرہ تھا اس لئے قادیان کے احمدی لائسنسدار کو منتخب کیا گیا۔

۶۔ کسی احمدی نے ٹھیکہ لینے پر آمادگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

۷۔ احسان علی اور ان کے والد نے بھی انکار کر دیا تھا۔ میں نے اس شرط پر کہ اِنۡشَاءَ اللّٰہُ آپ کو نقصان نہ ہونے دوں گا مَیں ذمہ وار ہوں اور سَو روپیہ بطور قرض پیشگی ان کو رضامند کیا تھا۔

غرض تمام ٹھیکہ پٹرول کی ذمہ داری کُلّیۃً میری ہے۔ جس میں انجمن کے مفاد مدنظر تھے۔ حضرت کا اِس معاملہ میں قطعاً کوئی اشارہ اور ہرگز کسی قسم کی ہدایت نہ تھی کہ احسان علی سے معاملہ کیا جائے وَاللّٰہُ عَلٰی مَااَقُوۡلُ شَہِیۡدٌ وَلَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡکَاذِبِیۡنَ۔

عبد الرحیم نیّر

۲۹۔۶۔۱۹۳۷ء

گو میری تحریرات اگر محفوظ رہتیں تو اِس سے زیادہ واضح تھیں مگر یہ بیان بھی بہت کافی ہے۔ نیّر صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ اِس معاملہ میں اُن کو آڑ نہیں بنایا گیا بلکہ سب ذمہ واری اُن کی تھی بلکہ میاں بشیر احمد صاحب کی معرفت اِس بارہ میں اُنہیں ایک حد تک روکا بھی گیا لیکن چونکہ اور کوئی انتظام نہ ہوسکتا تھا، انہوں نے باوجود ڈاکٹر احسان علی کے انکار کے انہیں اس کام پر مجبور کر کے لگایا اور یہ کہ اُس وقت کی قیمتوں کے لحاظ سے جو ریٹ طے کیا گیا تھا وہ درست تھا۔ اَب کُجا نیّر صاحب کا یہ حلفیہ بیان اور کُجا اِس شخص کا یہ الزام کہ ٹھیکہ مَیں نے احسان علی کے فائدہ کیلئے دلایا، نیّر صاحب کو صرف آڑ بنایا گیا، بٹالہ کی ایک کمپنی سستا پٹرول دیتی تھی مگر اس سے نہ لیا گیا اور احمدی ٹھیکیدار ملتے تھے اُن کو بھی ردّ کیا گیا۔ جو شخص اِس قدر افتراء اُس شخص پر کرے جس کی اِس نے بیعت کی ہوئی ہے کون بتا سکتا ہے کہ اس کے دل میں کس قدر بُغض اور کینہ بھرا ہوا ہوگا۔

ایک الزام میاں فخر الدین صاحب نے یہ لگایا ہے کہ ایک دفعہ محمد اسحٰق صاحب سیالکوٹی سپرٹ بغیر لائسنس لے آئے اور احسان علی نے ان کی شکایت کر کے انہیں پکڑوا دیا۔ تو احسان علی صاحب پر پانچ روپیہ جُرمانہ ہوا لیکن احسان علی نے کہا کہ حضرت صاحب کو اِس کا علم نہ ہوا ہوگا کہ مَیں نے ایسا کیا ہے ورنہ وہ ایسا نہ کرتے چنانچہ وہ جُرمانہ وصول نہ ہوا۔ یہ الزام سراسر بہتان اور جھوٹا ہے مجھے شروع سے یہ علم دیا گیا تھا کہ احسان علی صاحب نے رپورٹ کی ہے۔ حق احسان علی صاحب کی طرف تھا کیونکہ اُن کے پاس سپرٹ کا لائسنس تھا۔ لیکن محمد اسحٰق صاحب کا بھی کوئی قصور نہ تھا کیونکہ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ ہائی سکول کے سائنس کے تجربات کے استعمال کیلئے غلطی سے سپرٹ لاتے تھے۔ میں نے اِس پر شدید ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ ایسے معاملہ میں حق کا استعمال بھی غلطی ہے باہمی سمجھوتہ کرنا چاہیئے تھا۔ اور محکمہ نے احسان علی صاحب پر پانچ روپیہ جُرمانہ کیا جو ناظر صاحب امور عامہ کی رپورٹ کے مطابق اُسی وقت وصول ہوگیا تھا۔ یہ جُرمانہ اُس جُرمانہ کی ادائیگی کیلئے تھا جو میاں محمد اسحٰق صاحب کو سرکاری عدالت سے ہوا تھا اور اِس وجہ سے انہی کو دیئے جانے کا فیصلہ ہوا تھا۔ میاں محمد اسحٰق صاحب سے بھی میں نے گواہی لی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

''اس معاملہ کے متعلق مرکز سلسلہ عالیہ احمدیہ میں تحقیقات ہو کر احسان علی پر اُسی قدر جُرمانہ کیا گیا تھا جتنا میں نے عدالت سرکاری میں دیا تھا۔ چنانچہ اِس جُرمانہ کی فوری ادائیگی

ہوئی اور میں نے یہ روپے وصول پالئے تھے۔ محمد اسحٰق مالک سیالکوٹ ہاؤس قادیان‘‘۔

اب آپ لوگ اِن شہادتوں کو دیکھیں اور فخر الدین کے اِس اعتراض کو دیکھیں کہ جب خلیفہ کو معلوم ہوا کہ احسان علی رپورٹ کرنے والا ہے تو جُرمانہ کو وصول ہی نہیں کیا گیا۔ کیا یہ سلسلۂ اِتّہامات اُس گندی ذہنیت کو واضح نہیں کرتا جو میاں فخر الدین صاحب کے دل میں خلیفہ کے خلاف پیدا ہو چکی تھی۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِباً اَنْ یُحَدِّثَ بِکُلِّ مَاسَمِعَ [15] ایک آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ ہر سُنی ہوئی بات آگے بیان کر دے۔

ایک شکایت انہوں نے یہ کی ہے کہ چند روز کا واقعہ ہے۔ مولوی ظفر محمد صاحب مجھے بھائی قادیانی صاحب کے مکان کے قریب ملے۔ اور اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ کرکے کہا کہ اب میں امور عامہ میں آ گیا ہوں اور پھر ہنس دیئے۔‘‘ اِس کا مطلب وہ یہ لیتے ہیں کہ گویا انہیں دھمکی دی گئی۔

مولوی ظفر محمد صاحب کا حلفیہ بیان

اس کے متعلق حضور نے مولوی ظفر محمد صاحب کا حلفی بیان لیا۔ تو مولوی صاحب نے کہا کہ مجھ سے فخر الدین صاحب نے خود دریافت کیا تھا کہ تبلیغ سے واپس آ کر کہاں لگے ہو۔ تو میں نے کہا کہ امور عامہ میں۔ تو کہا کہ خدا خیر کرے۔

سید ولی اللہ شاہ صاحب کی حلفیہ تصدیق

(جناب سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ نے بھی اس امر کی تصدیق حلفیہ کی اور بتایا کہ مجھے فخر الدین صاحب نے خود یہ واقعہ سنایا تھا اور کہا تھا کہ آج مجھے مولوی ظفر محمد صاحب ملے تھے اور میں نے کہا تھا خدا خیر کرے اور یہ کہ میں نے ظفر محمد کو چڑانے کیلئے ایسا کہا تھا)

اِن دونوں شہادتوں سے آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح میاں فخر الدین صاحب اپنی براءت کیلئے باتوں کو اُلٹ پھیر کر بیان کر رہے ہیں۔

اس کے بعد حضور نے سید محمد سعید صاحب سلیم کا بیان پڑھ کر سنایا کہ چند روز ہوئے محاسب کے دفتر کے پاس مجھے بابو فخر الدین صاحب ملے اور کہا کہ مہاشہ فضل حسین صاحب کو یہ خوشخبری سنا دینا کہ اب میرا بائیکاٹ ہونے والا ہے جس سے بکڈپو کو فائدہ ہوگا۔ اور جناب سید

ولی اللہ شاہ صاحب نے حلفاً بیان کیا کہ مجھے بھی کئی بار فخر الدین صاحب نے شکوہ کے رنگ میں کہا تھا کہ بکڈ پو جاری کر کے میری تجارت کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ اس کے متعلق حضور نے فرمایا کہ بکڈ پو سے ہمارا کیا فائدہ ہے۔ ہم نے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام کتب کے حقوق سلسلہ کو دیدیئے ہوئے ہیں۔ مگر میاں فخر الدین صاحب کے دل میں یہ بُغض ہے کہ سلسلہ کا بکڈ پو جاری کر کے ان کی دکان کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ ان کی موجودہ حالت تو ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے الہام سے میرے دل میں سلسلہ کا بکڈ پو قائم کرنے کی تحریک کی ورنہ اگر سلسلہ کا بکڈ پو نہ ہوتا تو آج میاں فخر الدین صاحب کے اخراج کے ساتھ ہی سلسلہ بغیر لٹریچر کے رہ جاتا۔

فخر الدین کی فحش گوئی

اِسی تحقیق کے دوران میں مولوی عبدالاحد صاحب نے ایک رپورٹ کی کہ میاں فخر الدین صاحب کسی سے تحقیق وغیرہ کا ذکر کر رہے تھے۔ میں اور مولوی علی محمد صاحب اجمیری ان کے پاس سے گزرے تو مولوی صاحب کسی قدر آگے تھے، مَیں پیچھے تھا۔ جب میں پاس سے گزرا تو میں نے میاں فخر الدین صاحب کے منہ سے سلسلہ کے خلاف ایک نہایت گندہ فقرہ سنا۔ اِس پر کمیشن نے ان کا بھی بیان لیا اور انہوں نے مندرجہ ذیل بیان دیا:۔

مولوی عبدالاحد صاحب کا حلفیہ بیان

میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ بیان کرتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے جو کچھ میں بیان کروں گا وہ صحیح اور درست ہوگا۔

جناب بابو فخر الدین صاحب ملتانی کے متعلق مولوی تاج الدین صاحب کی شکایت پر جو مجھ سے شہادت طلب کی گئی تھی، اِس مقدمہ کے متعلق صاحب موصوف ذکر کر رہے تھے۔ جن صاحب سے ذکر کر رہے تھے وہ غالباً سردار مصباح الدین صاحب تھے۔ ان سے انہوں نے کہا۔ خیر دیکھی جائے گی۔ ’’کان سے پکڑ کر نکالتے ہیں یا شرمگاہ کا نام لیکر کہا۔ وہاں سے پکڑ کر‘‘ پنجابی زبان میں ہر دو صاحبان گفتگو فرما رہے تھے۔ وقت عشاء اور مغرب کے درمیان کا تھا۔ مقام اِس گفتگو کا فخر الدین صاحب کی دُکان کے متصل جو گلی ہے اس کا وہ حصہ تھا جو صاحب موصوف کی دُکان سے ملحق ہے۔ میرے ساتھ اُس وقت اجمیری صاحب بھی تھے۔ جو چوک میں کھڑے ہو کر میرا انتظار کر رہے تھے۔ چونکہ وہ اُس وقت بیمار تھے، وہ جلدی جانا چاہتے تھے اس لئے وہ

مجھ سے آگے چل کر ٹھہر گئے۔ میں یہ بات سنکر مولوی صاحب کے پاس پہنچا اور انہیں یہ واقعہ سنایا۔اس کے بعد صبح کو ماسٹر غلام حیدر صاحب سے بھی اس کا ذکر ہوا۔

کمیشن کے سوال پر عرض ہے کہ غالباً سردار مصباح الدین اس لئے کہا کہ مَیں نے اُن کا چہرہ نہیں دیکھا، میری طرف اُن کی پیٹھ تھی۔ ہاں باقی حُلیہ چونکہ بالکل اُنہیں کا تھا اس لئے غالب گمان سے تعبیر کیا گیا۔

کمیشن کے سوال پر عرض ہے کہ میں نے وہاں کھڑے ہو کر انہیں یہ نہیں کہا کہ ایسی گندی باتیں کیوں کر رہے ہو کیونکہ ان کے متعلق پہلے ہی مقدمہ شروع تھا۔ میں نے اس لئے ان سے گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ میری کسی بات کا جبکہ وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے کیا اثر ہو سکتا تھا، سوائے اِس کے کہ وہیں لڑائی ہو جاتی۔ اگر لڑائی کا خوف نہ ہوتا تو ضرور اُسی وقت انہیں مناسب تنبیہہ کر دی جاتی۔

خاکسار

عبدالاحد

۷۔۶۔۱۹۳۷ء

میاں مصباح الدین صاحب اِس واقعہ کا انکار کرتے ہیں لیکن اس کا انکار نہیں کہ یہ بات نہیں ہوئی بلکہ اِس کا انکار کرتے ہیں کہ وہ اس موقع پر میاں فخر الدین صاحب سے باتیں کر رہے تھے مگر اِس انکار کا چنداں اثر نہیں پڑتا، کیونکہ مولوی عبدالاحد صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے شکل نہیں دیکھی صرف شباہت سے اُنہوں نے یہ قیاس کیا ہے۔ پس اس انکار سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت میاں مصباح الدین صاحب بات نہیں کر رہے تھے بلکہ کسی اور شخص سے میاں فخر الدین صاحب بات کر رہے تھے۔میاں فخر الدین صاحب اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق اور ذریعہ سے کرا دی ہے جب میں سندھ سے واپس آیا ہوں اور کمیشن کی رپورٹ مَیں نے پڑھی ان دنوں مہاشہ محمد عمر صاحب، مولوی ابوالعطاء صاحب کے ساتھ کہیں باہر تبلیغ کیلئے گئے ہوئے تھے۔انہوں نے راستہ سے مجھے خط لکھا کہ بعض اہم باتیں سلسلہ کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہیں۔ میں بوجہ شرم پہلے بیان نہیں کر سکا مگر اَب مجھے خیال آیا ہے کہ ان کا بیان کر دینا زیادہ مناسب ہے۔ جب وہ واپس آئے تو مجھ سے ملے اور انہوں نے بعض باتیں مجھ سے بیان کیں۔ جن میں سے بعض میاں فخر الدین

صاحب کے متعلق تھیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ان امور کو وہ لکھ دیں چنانچہ انہوں نے حلفیہ شہادت لکھ دی جو یہ ہے۔

مہاشہ محمد عمر صاحب کا حلفیہ بیان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَا سَیِّدِیْ!

اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

۱۔ میں علیم وخبیر خدا کو گواہ رکھ کر یہ لکھتا ہوں کہ جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ ایک دن میں اور فخر دین نزد دُکان لاہور ہاؤس کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اس نے دورانِ گفتگو میں کہا کہ آہستہ آہستہ بولو اور پیچھے نہ دیکھنا۔ مَیں نے کہا کہ کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ وہ جا رہا ہے، یہ بھی آج کل میرے خلاف بڑا حصہ لے رہا ہے۔ اتنے میں مولوی اللہ دتّا صاحب سائیکل پر سے گزر گئے۔ جب گزر گئے تو کہا کہ یہ بھی خلیفہ کی ....کا بال جا رہا ہے اس جگہ اُس نے پنجابی کا ایک نہایت ہی غلیظ لفظ بولا جس کو شرافت اجازت نہیں دیتی کہ لکھا جائے۔

مجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جو دلوں کے بھید کو جانتا ہے اور جس کی جھوٹی قسم انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اے خدا! اگر یہ الفاظ اس نے نہ کہے ہوں اور مَیں نے اپنے پاس سے لکھ دیئے ہوں تو اِس کا وبال میرے اور میری اولاد پر ڈال۔

۲۔ نیز مَیں خدا کی قسم کھا کر یہ بھی لکھتا ہوں کہ اُس نے ایک دن اپنے مکان کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہا تھا کہ تحریک جدید کا ایک فائدہ ضرور ہوا ہے کہ پہلے تو لڑکوں کو تلاش کرنا پڑتا تھا، اَب جمع شُدہ مل جاتے ہیں۔ اِس جگہ اس کا مفہوم نہایت ہی گندہ اور حضور پر کمینہ حملہ تھا۔

۳۔ نیز مَیں نے اُس سے ایک دن یہ بھی کہا تھا کہ چھ مارچ کے جلسہ کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی اچھا سا شعر بتاؤ، انہوں نے ایک شعر بتایا، میں نے کہا کہ کوئی اور بتاؤ، اُس نے کہا کہ اور تو کوئی نہیں، مَیں نے کہا تو پھر ''خلیفۃ المسیح الثانی'' کا بتاؤ۔ اِس پر اُس نے کہا کہ ان کے شعر عاشقانہ ہوتے ہیں، ہاں اگر اِن کی ضرورت ہے تو ہزاروں مل جائیں گے، عاشقانہ کلام تو اِن کا مشہور ہے۔ نیز اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں پہلے نکلوں گا، پھر

مصری صاحب اور پھر سردار مصباح الدین۔ مَیں اپنے خدا کو گواہ رکھ کر یہ باتیں لکھتا ہوں اور وہ دلوں کو خوب جانتا ہے۔ یہ باتیں فخر دین نے میرے ساتھ کی ہیں اور میں خدا کو بھی گواہ رکھ کر شہادت لکھتا ہوں۔ وَاللّٰہُ شَھِیْدٌ عَلٰی مَااَقُوْلُ

حضور کا ادنیٰ خادم

محمد عمر

اس شہادت سے مولوی عبدالاحد صاحب کے بیان کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ اَب آپ لوگ غور کر لیں کہ جو شخص اپنے گند اور بغض میں اِس قدر بڑھ گیا ہو کہ جس کے ہاتھ پر اُس نے بیعت کی ہو، اس کی نسبت ایسے شرمناک لفظ استعمال کرے، وہ اخلاص اور ایمان کا دعویٰ کس بناء پر کر سکتا ہے۔ اگر اسی کا نام ایمان اور اخلاص ہے تو موچی دروازے کے غنڈوں کو بُرا کہنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اوّل فحش کلامی اور پھر خلیفۂ وقت کی نسبت اور پھر یہ دعویٰ کہ تمام مظالم کے باوجود ہمارے ایمان اور اخلاص میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

اِس شہادت میں ایک اور بات بھی بیان کی گئی ہے جو تحریک جدید کے بورڈنگ کے متعلق ہے اور اسی طرح تحریک جدید کے وقف کنندگان کے متعلق ہے۔ اس میں جس قدر شرمناک حملہ مجھ پر کیا گیا ہے، وہ میں نہیں سمجھتا کہ احراریوں کے حملوں سے یا دوسرے دشمنانِ سلسلہ کے حملوں سے کم ہو۔ اگر ایسے لوگ احمدیت میں رہ سکتے ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ خلافت اور نظامِ سلسلہ سے بدتر اور بے معنی لفظ دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ بہتر ہو گا کہ جماعت بے خلافت رہے تا لوگوں کو ایسے بے معنی نظام پر ہنسی اُڑانے کا موقع تو نہ ملے۔

مقبول کے اخراج کی حقیقت

پھر میاں فخر الدین صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مقبول ایک لڑکی کو بغیر تحقیق یہاں سے نکال دیا گیا، اسی طرح ہمارے معاملہ میں کیوں نہ کیا گیا۔ ایک تیسرے شخص کے حالات کو میاں فخر الدین صاحب کی تحریر کی وجہ سے میں پبلک میں نہیں لا سکتا۔ مگر اس قدر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس یتیم لڑکی کا بعض لوگوں سے بعض باتوں پر تنازعہ ہو گیا اور اس نے خود مجھ سے کہا کہ اَب میں قادیان میں نہیں پڑھ سکتی، مَیں نے اس کو سمجھایا مگر اس نے نہیں مانا، اس پر اس کی اپنی خواہش پر میں نے اس کا انتظام سیالکوٹ کر دیا جہاں اس کی بعض سہیلیاں رہتی تھیں۔ لیکن اس کے بعد وہاں کی جماعت کی لجنہ کی پریذیڈنٹ سیدہ فضیلت صاحبہ اور بعض اور مخلص مستورات نے اس

کی نسبت بعض باتیں منسوب کیں جو سلسلہ پر حملہ بنتی تھیں اس پر میں نے اسے بلا اجازت قادیان آنے سے منع کر دیا، لیکن اس کے بعد وہ کئی دفعہ اجازت سے قادیان آ چکی ہے اور ابھی چند ماہ ہوئے اس نے مجھے لکھا کہ میں بیمار ہوں، مجھے قادیان آ کر سید ولی اللہ شاہ صاحب کے ہاں رہنے کی اجازت دی جائے۔ تو میں نے دفتر کو ہدایت کی کہ اسے اجازت دی جائے۔ گو وہ بعد میں آئی نہیں نہ معلوم دفتر کا خط اسے نہیں ملا یا اس نے ارادہ بدل دیا۔ بہرحال اس معاملہ میں بھی میاں فخر الدین صاحب نے واقعات کو بالکل اُلٹ کر بیان کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ بوجہ اس کے کہ معاملہ ایک تیسرے شخص کے متعلق ہے، میں تفصیل سے واقعات بیان نہیں کر سکتا۔

عبدالرحمٰن کی ملازمت

اب عبدالرحمٰن کی نوکری کا سوال رہ جاتا ہے۔ ہمیں سندھ کی زمینوں کیلئے قوی اور مضبوط آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک سال پہلے تک اس جگہ ملازموں کی تلاش ہمارے لئے ایک تکلیف دہ سوال بن رہا تھا۔ بہت سے لوگ وہاں جا کر گھبرا کر آ جاتے اور ہمارا روپیہ ضائع ہو جاتا۔ صرف میری ہی زمینوں پر سے آٹھ دس آدمی بھاگ چکے ہیں اور اس طرح میرا چار سَو روپیہ کے قریب ضائع ہو چکا ہے اس لئے وہاں ایسے آدمیوں کو چن کر بھجوایا جاتا ہے جو مضبوط اور محنت کش ہوں اور وہاں کی آب و ہوا میں گزارہ کر سکیں۔ میاں عبدالرحمٰن چونکہ اچھی صحت کے آدمی ہیں میں نے ان سے کہا کہ اگر تم حساب رکھنے کا کام سیکھ لو تو تمہیں سندھ بھیجا جا سکتا ہے اور تم کو ۲۵ روپیہ ماہوار دیئے جائیں گے۔

سندھ کیلئے ۲۵ روپیہ ماہوار اُس وقت کے لحاظ سے کوئی بڑی تنخواہ نہ تھی۔ وہاں میرا ایک ملازم ہے۔ پرائمری پاس بھی نہیں ہے مگر ۲۳ روپیہ ماہوار اور ایک من غلہ تنخواہ انہیں دی جاتی ہے جو چھبیس روپے ماہوار سے زائد بنتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا تھا کہ وہاں لوگ جانے کو تیار نہ ہوتے تھے کیونکہ آب و ہوا خراب تھی اور سانپ بھی شروع میں اس قدر کثرت سے ہوتے تھے کہ بعض دفعہ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں دو دو تین تین کیس ہر ہفتہ ہو جاتے تھے۔ وہاں کے ایک انجینئر کی نسبت ایک دوست نے سنایا کہ ایک دفعہ وہ کرسی پر بیٹھا کام کر رہا تھا کہ اس نے تھک کر پاؤں بوٹ سے باہر نکالے ایسا کرنا تھا کہ ایک سانپ نکل کر اُس کی طرف بڑھا اور وہ بمشکل بچا۔ اب آبادی کی وجہ سے آب و ہوا بھی اچھی ہو رہی ہے۔ دوسرے آٹھ ماہ سے ہم

نے وہاں ہسپتال بھی کھول دیئے ہیں، علاج کا سامان فوراً میسر آ جاتا ہے، نیز سانپ بھی آبادی کی وجہ سے کم ہو رہے ہیں۔ پس اب سات آٹھ ماہ سے لوگوں کی اِدھر توجہ ہوئی ہے اس سے پہلے دو تین سال ہمیں ملازموں کا تلاش کرنا سخت مشکل ہوتا تھا۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ کام زمیندارہ ہے اگر زمینداروں کو بھجواتے تھے تو وہ چند ماہ کے بعد کام چھوڑ کر خود اپنا زمیندارہ شروع کر دیتے تھے اور ملازمت کا تسلسل ٹوٹ جاتا تھا۔ ہمارے روپیہ سے تجربہ کر کے لوگ خود فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اور غیر زمینداروں سے مضبوط آدمی جو زمیندارہ کام کی مشکلات کو برداشت کر لیں ملنے مشکل تھے۔

پس ہم حسبِ حالات وہاں کی تنخواہیں دینے پر مجبور تھے جو یہاں سے بہت زیادہ ہوں۔ میاں عبدالرحمٰن اس سے چھ ماہ پہلے سے بعض کام آنریری طور پر کر کے کچھ زمیندارہ کام سے واقف ہو گئے تھے اور جسم سخت آب و ہوا کی برداشت کے قابل تھا اور اکاؤنٹس کا کام بھی سیکھ لیا تھا اور پھر کمپاؤنڈری بھی سیکھے ہوئے تھے اس لئے مَیں نے ان کو تحریک جدید کی نئی زمینوں پر کام کرنے کیلئے مقرر کر دیا۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے وہاں تنخواہوں کا حساب یہاں سے بالکل مختلف ہے۔ ہمارے ایک گریجوایٹ مینیجر ہیں وہ یہاں دس روپے پر کام کرنے کو راضی تھے میں انہیں پندرہ یا بیس دیتا تھا۔ وہ آج کل وہاں کام کر رہے ہیں اَڑتالیس روپے تنخواہ ہے، دومن غلّہ ملتا ہے، مکان مُفت ہے اور پیداوار پر انعام الگ ملتا ہے۔ سب ملکر ستر روپے کے قریب تنخواہ ہو جاتی ہے۔ اب کُجا پندرہ بیس اور کجا ستّر۔ عرصہ بھی زیادہ نہیں ہوا، میرے پاس سندھ میں کام کرتے ہوئے انہیں صرف ایک سال کے قریب ہوا ہے۔ ان کے ساتھ جو شرائط ہیں ان کے مطابق وہ اچھی طرح کام کریں تو سَو روپیہ ماہوار ان کو مل جانا بھی بعید نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک دوسرے مینیجر ہیں وہ غالبًا چھ سات جماعت پاس ہیں لیکن بڑے تجربہ کار ہیں، انہیں ۴۴ روپے ماہوار تنخواہ اور دومن غلہ اور پیداوار پر انعام الگ ملتا ہے، جو اس سال تین سَو سے زائد تھا، گویا انہیں کُل اسّی روپے ماہوار کے قریب بیٹھے۔ اس سال اِنْشَاءَ اللّٰہُ امید ہے کہ انہیں سَو روپے ماہوار سے بھی زیادہ ملے گا۔ حالانکہ ان کی تعلیم میاں عبدالرحمٰن سے کم ہے ہاں تجربہ ہے۔ میاں عبدالرحمٰن کچھ مدت میرے باغ میں کام کی نگرانی کرتے رہے تھے اور وہاں مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ یہ زمیندارہ کام اچھی طرح کر سکیں گے۔ یہ کام وہ ۱۹۳۵ء سے کر رہے تھے، جنوری ۱۹۳۶ء میں مَیں نے ان کے بارہ میں تجویز کی کہ انہیں سندھ بھجوا دیا جائے۔ سندھ

سے واپس آ کر کچھ دنوں مَیں دوسرے کاموں میں مشغول رہا، مارچ کے تیسرے ہفتہ میں مَیں نے محاسب صاحب سے کہا کہ ان کو حساب کا کام بھی سکھا دیں اور ۲۵۔ مارچ کو جیسا کہ دفتر محاسب نے رپورٹ کی ہے انہوں نے وہاں باقاعدہ کام کرنا شروع کیا اور ملازمت پر مقرر ہوئے ۳۱۔ مارچ کو یا یکم اپریل کو شام کے وقت (جیسا کہ امور عامہ کے ریکارڈ سے میں نے تاریخیں معلوم کی ہیں اور ان کی بناء پر دوسری تاریخوں کا اندازہ کیا ہے۔) مصری صاحب نے مجھ سے میاں عبدالرحمٰن کے متعلق شکایت کی کہ ایک گواہ کہتا ہے، وہ بھی چوری میں شامل ہیں۔ گویا ان کے تقرر کے بعد انہوں نے اغلب ہے کہ منگل یا شاید بدھ کے روز جبکہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو کیوں نہیں ملے، انہوں نے مجھ سے یہ بات کی ہے۔ جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں اس کا کوئی ثبوت مجھے نہیں ملا اور بعد کی پولیس کی تفتیش نے بھی اسے غلط ثابت کر دیا۔ پس یہ خیال کہ ملازمت کے معاملہ میں ان سے کوئی رعایت ہوئی ہے یا کہ ان کے خلاف شکایت موصول ہونے پر انہیں انعام ملا ہے، سراسر غلط ہے اور محض اندرونی کدورت کی وجہ سے یہ خیالات ملتانی صاحب اور مصری صاحب کے دل میں پیدا ہوئے ہیں، میں نے تو اس معاملہ میں بھی ایسی احتیاط سے کام لیا ہے کہ کم لوگ ایسی احتیاط سے کام لیتے ہونگے۔ مثلاً اوّل وہ دفتر کے بعد میرے باغ میں آنریری طور پر کام کیا کرتے تھے، جب مصری صاحب نے مجھ سے انکی شکایت کی تو پہلا کام میں نے یہ کیا کہ باغ کا کام اور آدمی کے سپرد کر دیا اور ان سے کہہ دیا کہ اب تمہاری ضرورت نہیں مگر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ پھر بھی آ کر نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ اس پر میں نے انور صاحب کو جن کے ماتحت وہ اس وقت آ چکے تھے کہا کہ ایک شخص اخلاص سے مفت کام کرتا ہو اور باوجود منع کرنے کے نہ رکتا ہو تو اسے میرا سختی سے منع کرنا بدتہذیبی میں داخل ہوگا اس لئے آپ ان کو منع کر دیں کہ جو زائد وقت بھی ہو وہ دفتر میں دیا کریں دوسرا کام نہ کریں مگر وہ اس پر بھی نہ رُکے اور انہوں نے کہا کہ میں اگر اپنے وقت میں سے کچھ ثواب کیلئے لگاتا ہوں تو دفتر کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے اور میرے پاس بھی کئی شکایات لکھیں لیکن میں نے انور صاحب کو تاکید کی کہ انکو ضرور ہٹا دو۔ ورنہ مصری صاحب کی طبیعت میں سخت بدظنی ہے، وہ ضرور یہ نتیجہ نکالیں گے کہ چونکہ ان کا کام کرتا ہے اس لئے اس کی رعایت کرتے ہیں۔ (اس موقع پر مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور مولوی فاضل نے اُٹھ کر بیان دیا کہ حضور کے ارشاد پر میں نے اسے وہاں جانے سے روک دیا تھا اور تحریری طور پر آرڈر دیکر

اس کے دستخط حاصل کر لئے تھے۔) اس کے بعد وہ مجھے چٹھیاں لکھتا رہا کہ مجھے کیوں منع کیا گیا ہے مگر میں نے کبھی جواب نہیں دیا ہاں بہت دق کرنے پر ایک دفعہ یہ جواب دیا کہ جب تم ایک جگہ کام کرتے ہو اور تمہارا وقت ان کا ہے تو تمہارا کوئی حق نہیں کہ ان کے روکنے پر شکایت کرو۔ اس کے بعد اس کے متعلق مصری صاحب کے لڑکے نے جب پھر شکایت کی تو میں نے انور صاحب سے کہا کہ بغیر جُرم کے تو ہم ان کو کوئی سزا نہیں دے سکتے۔ لیکن ایسے حالات میں چھوٹے قصور بھی بڑے ہو جاتے ہیں۔ پس آپ میاں عبدالرحمٰن کے کام کی نگرانی کریں اور اگر کوئی قصور ثابت ہو تو فوراً میرے سامنے معاملہ پیش کریں، تا انہیں کام سے علیحدہ کر دیا جائے تا ان کا وجود دوسروں کیلئے ابتلاء کا موجب نہ بنے۔ مگر جب تک قصور سرزد نہ ہو دیانتداری کے خلاف ہے کہ ہم کوئی قدم محض مصری صاحب کو خوش کرنے کیلئے اٹھائیں۔ غرض جیسا کہ میں نے بتایا ہے انہیں سندھ کیلئے ملازم رکھا گیا تھا لیکن انہیں قادیان اس لئے روکا گیا تھا کہ تا اگر مصری صاحب کے بتائے ہوئے الزامات میں سے کسی کے گواہ ملیں اور وہ تحقیق کرانا چاہیں تو سندھ سے انہیں واپس نہ بلانا پڑے۔ چنانچہ وہ خود کئی دفعہ پوچھ چکے ہیں کہ جب مجھے سندھ کیلئے رکھا گیا تھا تو وہاں بھیجا کیوں نہیں جاتا۔ ان کی تعلیم نو جماعت تک ہے اور اس کے بعد انہوں نے غالباً لدھیانہ میں بجلی کے کام کا امتحان پاس کیا ہے اور پھر کمپاؤنڈری کا کام بھائی کی دُکان پر سیکھا ہے اور اکاؤنٹنٹ کا کام دفتر محاسب میں سیکھا ہے۔

اور میں بتا چکا ہوں کہ میرا ایک اپنا ملازم جو پرائمری پاس بھی نہیں انعام وغیرہ ملا کر گذشتہ سال ۳۲ روپے تک ماہوار وصول کرتا رہا ہے۔ تو تنخواہیں حالات کے مطابق ہوتی ہیں اب چونکہ وہاں وہ دقتیں نہیں رہیں جو پہلے تھیں اور آبادی بڑھ رہی ہے، ہسپتال اور مدرسے جاری ہو گئے ہیں، ڈاکخانہ جاری ہو گیا ہے، اس لئے اب چند ماہ سے کم تنخواہوں پر بھی آدمی مل جاتے ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم پہلوں کو اس بناء پر نکال دیں کہ اب ہمیں سستے آدمی ملنے شروع ہو گئے ہیں۔ مگر یہ سستے آدمی بھی ایسے زیادہ سستے نہیں۔

اب جو لوگ انٹرنس پاس نہ ہوں اور باقاعدہ ملازم ہوں ہم انہیں ۲۰ روپے ماہوار اور ایک من غلہ اور انعام اگر اچھا کام کرے الگ دیتے ہیں۔ جو سارا ملکر تیس روپے کے قریب اب بھی ہو جاتا ہے۔

ایک مغربی بدمذاقی کا واقعہ

ایک اور واقعہ بھی زیر تحقیق آیا ہے۔ یہ واقعہ لاہور کا ہے جو احمدیہ ہوسٹل میں ہوا۔ یہ ایک مغربی بدمذاقی ہے کہ کالجوں میں نئے جانے والوں کے ساتھ پرانے طالب علم مذاق وغیرہ کرتے ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب احمدیہ ہوسٹل کا بیان ہے کہ بعض پرانے طلباء نے نئے طلباء کے ساتھ ہنسی کی، اس کے جواب میں بعض نئے لڑکوں نے مصری صاحب کے بڑے لڑکے کے ساتھ مل کر پُرانوں سے کچھ مذاق کیا، انہوں نے اس مذاق کو حد سے زیادہ سمجھا اور چھت پر جا کر جہاں وہ لڑکے اُس وقت تھے ان سے جھگڑا شروع کر دیا۔ جھگڑے کو بڑھتے دیکھ کر عزیزم مرزا منیر احمد میرے بھتیجے اور عزیزم مرزا منور احمد میرے لڑکے کو دوسرے لڑکوں نے کہا کہ چل کر لڑائی بند کرا دیں۔ وہ اوپر گئے اور لڑائی کو بند کرایا۔ جب چھت سے لڑکے اُتر آئے تو پھر جوش میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ مرزا منیر احمد نے پھر صلح کرانی شروع کی مگر مصری صاحب کے لڑکے نے اسے غصہ میں تُو تُو کہہ کر بُلانا شروع کیا۔ منیر احمد نے اس پر غصہ میں آ کر مصری صاحب کے بڑے لڑکے کو مُکّا مارا اور لڑائی دوسروں سے ہٹ کر ان دو میں آ گئی۔ اس پر میرا لڑکا مرزا منور احمد لڑائی کو بند کرانے کیلئے آگے بڑھا تو مصری صاحب کے چھوٹے لڑکے نے خیال کیا کہ شاید میرے بھائی کو مارنے کو آگے بڑھا ہے، اور اس نے پیچھے سے آ کر منور احمد کو مُکّا مارا۔ اس پر منور احمد کو بھی جوش آیا اور اُس نے اس کو مُکّا مارا۔ کچھ شور و شر کے بعد دوسرے لڑکوں نے معاملہ رفع کرا دیا۔ اور سپرنٹنڈنٹ نے بعد تحقیق سب کی آپس میں صلح کرا دی اور غالبًا اسی وجہ سے اس کی رپورٹ فوراً میرے پاس نہیں کی گئی۔ مگر کسی اور شخص نے میرے پاس رپورٹ کر دی۔ اتفاقاً اُسی دن مَیں سخت بیمار ہو گیا اور ایک وقت میں خطرہ پیدا ہو گیا کہ شاید یہ آخری وقت ہے۔ چونکہ مَیں نے بہت سے لوگوں کا قرض دینا ہے، میں ڈرا کہ کہیں کسی کا قرض ریکارڈ سے رہ نہ جائے۔ میں نے راتوں رات فون کر کے منور احمد کو بُلوایا تا کہ اُس کی اور اُس کے بڑے بھائی مرزا مبارک احمد کی موجودگی میں قرض داروں کے حقوق کے متعلق وصیت کر کے ان کے حقوق محفوظ کر دوں اور ان کے اس پر دستخط کرا دوں کیونکہ یہی دو جوان لڑکے میرے ہندوستان میں موجود ہیں۔ منور احمد آدھی رات کو موٹر میں قادیان پہنچا۔ خیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ رات خیریت سے گزر گئی اور طبیعت بحال ہونے لگ گئی۔ جب دوسرے دن شام کو میری طبیعت زیادہ بحال ہوئی تو میں نے مرزا منور احمد کو بلوایا اور اس کی والدہ اور

مرزا مبارک احمد کی موجودگی میں اس سے واقعہ پوچھا۔ اس نے جو واقعہ بتایا اسی طرح بعد میں سپرنٹنڈنٹ نے رپورٹ کی۔ مگر چونکہ اس کا اقرار تھا کہ مبارک احمد پسر مصری صاحب نے اس دھوکا سے کہ مَیں اُس کے بھائی کو مارنے لگا ہوں جب مجھے مارا تو میں نے بھی غصہ سے اسے مارا اس لئے میں نے اُسے کہا کہ یہ جواب ایک شریف ہندو اور ایک شریف عیسائی بھی دے سکتا ہے۔ تم مسلمان ہو اور مسلمان بھی معمولی نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے اور خلیفۂ وقت کے بیٹے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے اس تعلق کے لحاظ سے کون سا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں، سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلّل اختیار کرو اور میں ہمیشہ کہتا رہتا ہوں کہ تم لوگ عفو سے کام لو۔ تم نے حضرت مسیح موعود اور میری تعلیم پر کس طرح عمل کیا۔ اور اگر تم نے عمل نہ کیا تو دوسرے لوگوں پر ہم کیا حُجّت کر سکتے ہیں۔ تم کو چاہیے تھا کہ مار کھاتے مگر ہاتھ نہ اُٹھاتے۔ اگر مجھے یہ خبر آتی کہ تم نے مار کھائی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے آگے سے جواب نہیں دیا، تو مجھے نہایت خوشی ہوتی۔ اس میری بات کو سن کر اُس کا سر ندامت سے جُھک گیا اور آنکھوں سے آنسو آ گئے اور اس نے کہا کہ مجھے بعد میں محسوس ہو گیا تھا کہ میں نے غلطی کی ہے۔ مجھے اس قسم کا نمونہ نہیں دکھانا چاہیے تھا۔ (میاں منور احمد صاحب اُس وقت اتفاقاً میرے پاس بیٹھے تھے حضور کی تقریر کے اس حصہ پر اُن کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ گویا وہ اِس پر بہت نادم تھے۔ رپورٹر)

یہ تو میرا طریق عمل ہے لیکن اس کے برخلاف ان لوگوں کا طریق عمل دیکھیں۔ اس واقعہ کی اطلاع ان لوگوں کو بھی ملی اور اس پر میاں فخر الدین صاحب نے جو اظہارِ خیال کیا اس کے متعلق ماسٹر فضل داد صاحب کا حلفیہ بیان درج ذیل ہے:۔

ماسٹر فضل داد صاحب کا حلفیہ بیان

ماسٹر صاحب لکھتے ہیں:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ تحریک جدید کے جلسوں کے دن مَیں چند منٹ کیلئے جلسہ سے باہر احمدیہ چوک کی طرف آیا، کرم الٰہی صاحب کی دُکان پر شیخ مصری صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ کے بعد گذرنے لگا تو شیخ صاحب نے مجھے بُلایا اور کہا کہ کیا آپ نے کچھ سنا ہے کہ لاہور میں لڑکوں کی لڑائی ہوئی ہے۔ میں نے عرض

کیا کہ صرف یہی سنا ہے کہ فسٹ ائیر والوں کے ساتھ کچھ جھگڑا ہوا ہے، مفصّل مجھے یاد نہیں۔ اس پر انہوں نے ساری تفصیل سنائی جس میں انہوں نے کہا کہ میرے لڑکوں کو منیر احمد اور منور احمد صاحبزادگان نے مارا ہے۔ اسی دوران میں فخر الدین صاحب ملتانی اپنی دُکان سے شاید باہر آ کر شیخ صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگے کہ یہ بھی کوئی شرافت ہے کہ گورے چِٹے لڑکوں کے واسطے دوسروں کو لاٹھیاں ماری جاویں اور پھر ماری بھی بےقصور جائیں۔ میں نے اُن کو عرض کیا کہ یہ بھی کوئی شرافت نہیں کہ صاحبزادگان پر آپ اس طرح الزام لگاتے ہیں۔ میں اس کے بعد وہاں سے چلا گیا، یہ وہیں رہے۔

محمد فضل داد عفی عنہ بقلم خود

آپ لوگ ان کے اندرونی بُغض کا اور میرا جو اِن کے متعلق رویہ تھا، اس سے بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے ثابت ہے کہ یہ لوگ دیر سے خلافت سے الگ ہو چکے تھے۔ اب ان کے خلیفہ مصری صاحب تھے۔ اندر ہی اندر کھچڑیاں پک رہی تھیں اور ہر واقعہ کو مروڑ کر اپنے بغض کی رنگ آمیزی کے بعد میرے خلاف پروپیگنڈا کا ایک ذریعہ بنایا جا رہا تھا۔

مومن ہونے کیلئے ضروری شرط

خلاصہ یہ کہ مولوی تاج الدین صاحب کی رپورٹ پر تحقیق ہوئی اور اس کے جواب میں میاں فخر الدین صاحب نے جو بیان دیا اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف سے انکے منہ سے وہ کچھ کہلوا دیا جو اُن کے اُس جُرم کو ظاہر کرنے والا تھا جو سالہا سال سے وہ کرتے چلے آتے تھے۔ انہوں نے اس بیان میں علاوہ اور الزامات کے کُھلے الفاظ میں مجھ پر یہ الزام لگایا کہ میں نے چوری کے واقعہ میں فریق ثانی کی رعایت کی ہے حالانکہ میں نے ہر قدم پر ان کی مدد کی مگر انہوں نے متواتر مجھے ظالم اور چوروں کا ساتھی قرار دیا اور فحش کلامی اور ہر قسم کے اتہامات لگانے سے بھی باز نہیں رہے حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا[16]

یعنی اے محمد! میں اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک تجھے اپنے جھگڑوں پر حکم مقرر نہ کریں اور پھر جب تو فیصلہ کرے تو اس کے متعلق اپنے دلوں میں تنگی

محسوس نہ کریں بلکہ دل سے بھی اس کے صحیح ہونے کو تسلیم کریں۔ گویا قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ جب رسول یا اس کا خلیفہ فیصلہ کرے تو اسے ٹھیک مان لیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ خلیفہ غلط فیصلہ کر دے مگر پھر بھی اسے رغبتِ دل کے ساتھ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو سزا دینا چاہے اور اس لئے وہ سچا ہونے کے باوجود مقدمہ میں جھوٹا ثابت ہو جائے۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ یہ آیت صرف آنحضرت ﷺ کیلئے ہے کیونکہ وہ نبی تھے۔ مگر اس معاملہ میں نبی اور خلیفہ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ نبی اور خلیفہ میں اس جگہ فرق ہوتا ہے جہاں نبوت کا مخصوص سوال ہو اور مقدمات میں نبوت کے مقام کو کوئی دخل نہیں کیونکہ خود آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں مقدمات کے فیصلہ کرنے میں غلطی کرسکتا ہوں اگر نبی کے فیصلے منصبِ نبوت کے ماتحت ہوتے تو وہ ان میں کبھی غلطی نہ کرسکتا۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ ایک مقدمہ کا فیصلہ ایک شخص کے حق میں کر دیا تو دوسرے نے کہا کہ میں اس فیصلے کو تو مانتا ہوں مگر یہ ہے غلط۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی لسّان شخص مجھے دھوکا دیکر مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے مگر میرا فیصلہ اسے خدا تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا۔ [۱۷] گویا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ قضاء کے بارہ میں مَیں بھی غلطی کرسکتا ہوں۔ مگر باوجود اس کے قرآن کریم کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ شرح صدر سے تیرے فیصلے کو نہیں مانیں گے تو یہ ایمان والے نہیں ہیں۔ پس اس معاملہ میں نبی اور خلیفہ کی پوزیشن ایک ہی ہے۔ نظام کے قیام کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ ایک انسان کو ایسا حکم مان لیا جائے کہ جس کے فیصلہ کے آگے کوئی چون و چرا نہ کرے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا خلیفہ بے گناہ ہوتا ہے؟ کیا وہ غلط فیصلہ نہیں کرسکتا؟ مگر میں کہتا ہوں کہ اے بیوقوفو! کیا مجسٹریٹ بے گناہ ہوتے ہیں؟ کیا وہ غلطی نہیں کر سکتے؟ پھر یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ وہ رشوت بھی لیتے ہیں، جھوٹے بھی ہوتے ہیں، متعصّب بھی ہوتے ہیں، پکڑے جاتے اور سزا بھی پاتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ حکومتوں نے ان کے فیصلہ پر سخت جرح کرنے کو ہتکِ عدالت قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔ تم اگر کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کے خلاف اِس قسم کی بات کہو کہ اُس نے رعایت سے کام لیا ہے تو فوراً جیل خانہ میں بھیج دیئے جاؤ۔ مگر کیا خدائی گورنمنٹ کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت ہی نہیں کہ جو کچھ منہ میں آئے کہہ دیتے ہو۔ کیا تم میں سے کوئی عَلَی الْاِعْلان کہہ سکتا ہے کہ مجسٹریٹ نے دیانت داری کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ مگر یہ کہنے

میں تمہیں کوئی باک نہیں کہ خلیفہ نے دیانت داری کے خلاف فیصلہ کیا ہے اور اس کا نام حُریّت و آزادی رکھتے ہو۔ لیکن سرکاری مجسٹریٹ کے فیصلہ کے متعلق یہ بات کہتے وقت حُریّت و آزادی کہاں جاتی ہے۔ اس کے متعلق صرف اس وجہ سے نہیں کہتے کہ گورنمنٹ کی جُوتی سر پر ہوتی ہے۔ تم میں بعض لوگ بیٹھے ہیں جو کہتے ہیں کہ کیا چھوٹی سی بات پر جماعت سے نکال دیا مگر سوچو! کیا یہ بات چھوٹی ہے؟ قرآن کریم نے کہا ہے کہ جو کہتا ہے کہ نبی یا اس کے جانشینوں کا فیصلہ غلط ہے وہ مومن ہی نہیں۔ صحابہؓ نے تو اس بات کو اس قدر اہم قرار دیا ہے کہ ایک دفعہ دو شخص رسول کریم ﷺ کے پاس آئے۔ اور کہا کہ ہمارا فیصلہ کر دیں۔ ان میں سے ایک منافق تھا۔ رسول کریم ﷺ ابھی بات سن ہی رہے تھے کہ اُس نے خیال کیا، شاید فیصلہ میرے خلاف ہی نہ کر دیں! اس لئے اُس نے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللہ! آپ کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے، ہم اپنا یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس لے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا لے جاؤ چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور دورانِ گفتگو میں حضرت عمرؓ کو اِس بات کا علم ہوا کہ پہلے یہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے تھے مگر وہاں منافق یہ کہہ کر آیا ہے کہ حضرت عمرؓ سے ہم فیصلہ کرالیں گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں گھر گئے اور تلوار لا کر اُس شخص کی گردن اُڑا دی۔ [۱۸] اس کے رشتہ دار رسول کریم ﷺ کے پاس شکایت لیکر گئے۔ آپ نے فرمایا میں یہ ماننے کو تیار نہیں کہ عمر مومنوں کی گردنیں کاٹتا پھرتا ہے۔ مگر آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر دریافت فرمایا۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ بات درست ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ یہ شخص اس طرح آپ کو کہہ کر گیا ہے اس لئے میں نے مار دیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عمر پر زیادہ اعتبار کرتا ہے، اُس کی سزا یہی ہے۔ بیشک حضرت عمرؓ کا یہ فعل درست نہ تھا، ہماری شریعت اِس کی اجازت نہیں دیتی لیکن جہاں رسول کریم ﷺ نے **بِحُکْمِ اللّٰہ** اُن کے اِس فعل کو ناپسند فرمایا، وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کے اصل کو تسلیم کیا کہ ایسا کہنے والا مومن نہیں کہلا سکتا اور فرمایا۔ **فَلَا وَرَبِّکَ لَایُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ** ہم اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ گو قتل کا فعل درست نہیں مگر یہ بھی درست نہیں کہ وہ شخص مومن تھا اور عمرؓ نے مومن کو قتل کیا۔ جو شخص تیرے فیصلہ کو نہیں مانتا۔ وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہرگز مومن نہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک فاسق کو مارا تھا۔ پس جب آنحضرت ﷺ خود فرماتے ہیں کہ میں غلطی کر سکتا ہوں تو پھر خلیفہ سے غلطی کس طرح ناممکن

ہے۔مگر پھر بھی اس کے فیصلہ کو شرح صدر کے ساتھ ماننا ضروری ہے۔اس اصل کو بُھلا دو تو تمہارے اندر بھی تفرقہ اور تنفّر پیدا ہو جائے گا۔اِسے مٹا دو اور لوگوں کو کہنے دو کہ خلیفہ بھی غلطی کرسکتا ہے تو تم بھی پراگندہ بھیڑوں کی طرح ہو جاؤ گے جن کو بھیڑیئے اٹھا کر لے جائیں گے۔ اور دنیا کی لعنتیں تم پر پڑیں گی۔ جسے خدا نے عزت دی ہے، تمہارے لئے اس کی عیب جوئی جائز نہیں۔اگر وہ غلطی بھی کرتا ہے اور اُس کی غلطی سے تمہیں نقصان پہنچتا ہے تو تم صبر کرو۔ خدا دوسرے ذریعہ سے تمہیں اس کا اجر دے گا اور اگر وہ گندہ ہو گیا ہے تو جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح فرماتے ہیں، تم خدا کے آگے اس کا معاملہ پیش کرو۔ وہ اگر تم کو حق پر دیکھے گا اُسے خود موت دے دیگا اور تمہاری تکلیف دور کر دے گا۔مگر تمہارا اپنے ہاتھ میں قانون لینا اور ظاہر یا خفیہ خلیفہ کی ذات یا عزت پر حملہ کرنا تم کو خدا تعالیٰ کی لعنت کا مستحق بناتا ہے۔اگر تم خدا تعالیٰ کے قائم کردہ کی عزت پر ہاتھ ڈالو گے تو یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہاری عزت کی چادر کو چاک چاک کر دے گا اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔تمہاری عزت اسی میں ہے کہ خلافت کی عزت کرو اور جو شخص اس کی بے عزتی کیلئے کھڑا ہو، تم اُس سے تعلق نہ رکھو۔ بے شک اسلام میں قانون کا اپنے ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے لیکن ایسے شخص سے بیزاری اور قطع تعلق کا اظہار کر کے تم اپنے فرض کو ادا کر سکتے ہو اور اعلان کر سکتے ہو کہ اب یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے۔اب یہ بات تمہارے اپنے اختیار میں ہے۔ چاہے تو خدا تعالیٰ کے قائم کردہ خلیفہ کی عزت کو قائم کر کے خود بھی عزت پاؤ اور چاہے تو اس کی عزت پر ہاتھ ڈالو اور خدائی تلوار تمہیں اور تمہاری اولادوں کو تباہ و برباد کر دے۔

(الفضل ۱۸۔جولائی ۱۹۳۷ء)

---

۱ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ اُحد + سیرت ابن ھشام جلد۳ صفحہ۸۴۔۸۵ مطبوعہ ۱۹۳۶ء مصطفیٰ البابی مصر

۲ النور: ۱۳ ۳تا۶ النساء: ۵۹ ۷،۸ النساء: ۶۰

۹ مسند احمد بن حنبل جلد۵ صفحہ۱۷۳ المکتب الاسلامی بیروت

۱۰ بوّاح: کُھلم کُھلا

۱۱

۱۲ مرارت: کڑواپن، تلخی

۱۳ سودیشی: اپنے دیس کا

۱۴ تحصیل کا وہ عہدیدار جو اصل باقی کا رجسٹر رکھتا ہے۔

۱۵ مسلم-مقدمۃ الکتاب- باب النھی عن الحدیث بکل ما سمع

۱۶ النساء :٦٦

۱۷ مسند احمد بن حنبل جلد٦ صفحہ ۱۳۲۰ المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۱۳ھ

۱۸ الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول صفحہ ۳۹، ۴۰ ابن تیمیہ طبعۃ اولیٰ حیدرآباد دکن